

روایت پرستی کے حق میں ایک ضعیف روایت

مِثْلُ مَعَا کی حقیقت

از

جامع العلوم، محدث العصر علامہ تمنا عمامی پھلواروی

شائع کردہ

الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳-۷-۱ اے بلاک انا ظم آباد

نزد مسجد قدوسیہ - کراچی ۷۴۶۰۰

فون : ۶۲۱۳۴۹

روایت پرستی کے حق میں ایک ضعیف روایت

مشکل معہ کی حقیقت

از

جامع العلوم، محدث العصر، علامہ تمنا عماوی پھلواروی

الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳-۷-۱ بلاک ا تا ظم آباد

نزد مسجد قدوسیہ - کراچی ۷۴۶۰۰

فون ۶۳۱۳۳۹

نام کتاب : مثلۃ معۃ کی حقیقت
 مؤلف : علامہ تمنا عادی پھلواری
 طابع : روحانی وائجٹ پریس، ناظم آباد کراچی
 قیمت : ۱۲/۰۰ دے
 ناشر : الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
 ناظم آباد غبر، کراچی
 فون : ۶۲۱۳۴۹

قرآن کے خلاف دشمنان قرآن محمدین کی منافقانہ سازشیں

محمدین جو تابعین کے لبادے اوڑھ کر منافقانہ زہد و ورع اور ریاکارانہ پابندی صوم و صلوٰۃ کے ذریعے عام مسلمانوں میں بآسانی اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیتے تھے انھوں نے عجمی اسیران جنگ میں سے (جو غلامی سے آزادی حاصل کر کے موالی کے لقب سے مشہور تھے) ایک بڑی جماعت کو اپنا شریک کار بنا کر مسلمانوں اور اسلام کے خلاف ایک زبردست جدوجہد شروع کی۔ سب سے پہلے ایران کے ایک مجوسی قیدی ابو لولو فیروز کے ہاتھوں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو منصب شہادت تک پہنچانے کے بعد جب انتخاب خلیفہ کے وقت کوئی قسطن برپا نہ کر سکے تو منتخب خلیفہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے خلاف مرکز اسلام سے دور دراز مقامات میں جا جا کر عوام میں ایسی باتیں بیان کرنے لگے جن سے عام مسلمانوں میں خلیفہ وقت کی طرف سے نفرت کے جذبات پیدا ہوں ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ضرورت محسوس کی گئی کہ ان کے مقابل کسی دوسرے کو بھی پیش کیا جائے تاکہ عوام اگر کسی وقت موجودہ خلیفہ کے خلاف شورش برپا کر کے ان کو معزول کر دیں تو فوراً اس متبادل کو ان کی جگہ خلیفہ بنا دیا جائے اس کے لئے انھوں نے حضرت علیؓ کو اطلاع دیئے بغیر ان کا نام استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ان کے فضائل و مناقب میں جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر ہر جگہ ان جھوٹی حدیثوں کو مشہور کرنا شروع کیا چنانچہ ایران کے وہ علاقے جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہی کے زمانے میں فتح ہو چکے تھے اور کوفہ و بصرہ اور شام و عراق کے علاقوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت کی مقببت کی حدیثیں

پھیلانی جانے لگیں، اور خاندان پرستی کی بنیاد مسلمانوں میں تفریق ڈالنے اور اپنے بچے گاڑنے کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ دور دراز ملکوں کے عوام سیدھے سادھے نو مسلم ان منافقین کو مقدس تابعین اور ان کی من گھڑت حدیثوں کو واقعی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر یقین کر لیتے تھے، بلکہ ان جھوٹی حدیثوں کو یاد کر لیتے تھے اور پھر وہ بھی دوسروں سے روایت کیا کرتے تھے۔ آخر منافقین کوفہ بصرہ اور مصر سے ایک جماعت بلوائیوں کی مہیا کر کے آخر ماہ شوال ۳۵ھ میں ایسے وقت مدینہ طیبہ میں قنہ برپا کرنے کے ارادے سے پہنچے جب کہ مدینہ سے ایک بہت بڑی جماعت حج کے ارادے سے مکہ معظمہ روانہ ہو چکی تھی اور مدینہ سے کچھ بوڑھے کچھ بچے کچھ عورتیں اور کچھ بیمار لوگوں کے سوا تقریباً کل آدمی باہر تھے، ان منافقین اور ان کے چیلوں نے آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت قبول کرنے پر مجبور کیا ہے انھوں نے بادل ناخواستہ قبول کیا، مگر ان بلوائیوں اور منافقوں کے سبب سے ان کو ایک دن بھی آزادانہ فرائض خلافت اپنی مرضی کے مطابق انجام دینے کا موقع نہ مل سکا۔ جنگ جمل و جنگ صفین انھیں منافقین اور ان کے تیار کئے ہوئے بلوائیوں کی وجہ سے واقع ہوئیں اور پھر آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی انہیں ظالموں کی ریشہ دوانیوں کی بدولت جام شہادت پینا پڑا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انھیں منافق بلوائیوں نے حضرت حسن بن علی کو خلافت کی گدی پر بٹھا کر باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی کی رسم بد اور بدعت کی ایجاد کی مگر حضرت حسن ان منافقین کے روپے سے بہت حد تک واقف ہو چکے تھے بتقاضائے مصلحت اس وقت تو قنہ فرد کرنے کے

لئے اپنے والد کی طرح ان لوگوں کی بات مان لی، اور منصب خلافت کو بادل ناخواستہ قبول کر لیا۔ مگر چھ ہی ماہ کے بعد خلافت سے دست بردار ہو کر الگ ہو گئے اور اپنا جانشین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کر کے خود سبکدوش ہو گئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا یہ مصالحہ فعل اور ان کی یہ عاقلانہ صلح ان قتنہ پردازوں پر بہت شاق گزری کہ اب تو فتنوں کے سارے دروازے بند ہو گئے اور اس کے ذمہ دار تنہا حضرت حسن رضی اللہ عنہ تھے۔ اس لئے ایک خانگی سازش کر کے ان کو زہر دلو کر شہید کر ڈالا۔ اور اس طرح اس مصالحت کا انتقام لیا۔ ان کی شہادت کا الزام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا یزید پر رکھنا بھی انہی منافقین کے چیلوں کا کام ہے ان دونوں کا تو ان کی زندگی ہی میں فائدہ تھا ان کی شہادت ہی کی وجہ سے تو کوئی مفسدین کو اس کا موقع ملا کہ اب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لئے کھڑا کریں۔ اگر حضرت حسن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد زندہ رہتے تو اس وقت بھی خلافت قبول کرنے کے لئے کبھی تیار نہ ہوتے اور نہ حضرت حسین کو تیار ہونے دیتے۔ ان کی صلح جو فطرت اور مصالحانہ روش کا تجربہ ہو چکا تھا اس لئے کوئی وجہ ہی نہ تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا یزید کوئی بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات چاہتا۔

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے وقت تک تو ان کی شہرہ آفاق سیاست دانی و دور اندیشی کی وجہ سے ان قتنہ پردازوں کو کسی کامیاب قتنہ پردازی کا موقع نہ مل سکا۔ جہاں کہیں بھی ذرا سراٹھایا وہیں کھل دیا گیا۔ مگر ان کی وفات کے بعد آخر حضرت حسین کو کسی طرح دعویٰ خلافت پر تیار کر لیا گیا اور ان کو فریب دے کر کوفیوں نے کوفہ

بلایا اور راستے ہی میں بمقام کر بلا شہید کر ڈالا انھیں کی سازشوں سے تین برس بعد واقعہ ہوا۔ پھر حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کو بھی جام شہادت چٹا پڑا۔ اس کے بعد پھر مسلسل کئی سال تک مسلمانوں میں خونریزیاں ہوتی رہیں مگر اس قدر سیاسی انتشار کے بعد بھی مسلمانوں کا دینی شیرازہ منتشر نہ ہوا، اور عقائد و عبادات اور اصول اخلاق و اصول معاملات میں سب کے سب متحد رہے اگر بعض فروعی اجتہادی مسائل میں کچھ شخصی اختلاف دو قاضیوں کے درمیان ہوا تو اس کو دینی انتشار نہیں کہا جاسکتا، اجتہادی مسائل میں اس قسم کے دینی اختلافات کا ہونا ناگزیر ہے تفاوت فکر و عقل اور اختلاف طریق غور و فکر کے علاوہ مقام ضیق و مقام وسعت کا فرق بھی ایک ایسی چیز ہے کہ ایک ہی جیسے مسئلے میں دو جگہ دو قاضی دو طرح کے بہم مختلف فتوے اور فیصلے کریں۔

مسلمانوں میں تفرقہ پھیلانے کے لئے مختلف محاذوں کا انتخاب

پہلا محاذ روایت سازی

غرض محدثین کو یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ یہ عجب طرح کی قوم ہے کہ اس کے رسولؐ کے تین خلفا شہید کر دیئے گئے دو نواسوں کو جام شہادت پلا دیا گیا ان کے درمیان اتنی خونریزیاں کرا دی گئیں پھر بھی ان کا شیرازہ قومیت ایک ہی ہے اور اتنے انتشار کے باوجود آج بھی دوسروں کے مقابلے یہ سب کے سب ایک ہی ہیں چونکہ ان سبھوں کا دین ایک ہے اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ ان لوگوں کے درمیان

دینی فرقہ بندیوں پیدا کر کے ان کے دینی شیرازے کو توڑ دیا جائے تاکہ ان کی مختلف جماعتیں ہو جائیں اور ہر جماعت کا دین دوسرے سے اتنا الگ اور مختلف ہو جائے کہ ایک دوسرے کو کافر ورنہ گمراہ تو ضرور کہے مگر یہ دشواری بھی محسوس کی کہ اس قوم کا قومی شیرازہ صرف دین ہے اور ان کا دین ان کی کتاب قرآن میں منحصر ہے۔ قرآن میں فرما دیا گیا ہے کہ

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ (تم نے جس کسی بات میں اختلاف کیا اس کا فیصلہ اللہ کی طرف رجوع ہو کر رہے گا یعنی اللہ کی کتاب قرآن تمہارے پاس موجود ہے اس کے سامنے پیش کر دو۔ ہر دینی اختلاف کا فیصلہ ہو کر رہے گا۔ اور اگر تم نے دنیا میں قرآن کے سامنے اپنے اختلاف کا فیصلہ نہ کیا تو پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے سارے باہمی اختلافات پیش ہو کر رہیں گے اور اس دن تمہارے اختلافات کا صحیح فیصلہ ہو جائے گا۔ تو جب یہ لوگ قرآن کی طرف متوجہ ہوں گے ان کا اختلاف بڑی آسانی کے ساتھ مٹ جائے گا۔ اس لئے ایسی صورت نکالنی چاہئے کہ ان سے قرآن بالکل چھین جائے مگر فوراً ہی اس کو بھی محسوس کر لیا کہ ان سے قرآن کا چھین لینا ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ اول تو ہر گھر میں قرآن کے متعدد نسخے موجود ہیں، عورت، مرد، بوڑھے، جوان، یہاں تک کہ بچے اور بچیاں قرآن پڑھا کرتی ہیں اور روزانہ تلاوت کا معمول ہے پھر تقریباً اسی فیصد مرد اس قوم کے حافظ قرآن ہیں۔ اس لئے اس قوم سے اس کتاب کا چھین لینا بالکل محال ہے تو پھر کوئی ایسی صورت نکالنے کی ضرورت ہے کہ قرآن کے مقابل کوئی دوسری ایسی چیز ان کے سامنے پیش کر دی جائے جس کو یہ قرآن کے برابر سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس دوسری چیز کی طرف

ان کی توجہ اس قدر مبذول کرا دی جائے کہ یہ قرآن سے دور ہو جائیں اور ان کا اہتمام جو قرآن کی طرف ہے وہ باقی نہ رہے۔ ان مفسدین کو ان کی سابق قسہ پردازوں کے درمیان اس کا تجربہ ہو چکا تھا کہ یہ جھوٹی جھوٹی حدیثیں متنازع و مستتب و غیرہ کی بنا بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے عام مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ تو پچھلے سیدھے سادے عوام فوراً اس کو قبول کر لیتے تھے، بلکہ یاد کر لیتے تھے اور خود اس کی روایت دوسروں سے کرنے لگتے تھے۔ اس سے ایک چیز تو ان کو یہ معلوم ہو گئی کہ ہم جو بات قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ کر عوام کے سامنے بیان کریں گے۔ عام المسلمین ضرور اس کو مان لیں گے۔ اس لئے دین اسلام کے ہر مکن ہر کام اور ہر بات کو مختلف طریقے سے ان جھوٹی حدیثوں کے ذریعے مختلف کر دیا جائے تاکہ ان مسلمانوں کا عقیدہ و عمل ایک طرح سے باقی نہ رہے جب مختلف عقیدے اور مختلف طرح سے ان کے اعمال ہو جائیں گے تو ضروری ہے کہ یہ ایک قوم مختلف جماعتوں میں ان مختلف حدیثوں کی وجہ سے بٹ جائے اور پھر ایک دوسرے کو برسر غلا اور گمراہ سمجھنے لگے اور بالآخر ایک دوسرے کو کافر کہنے اور سمجھنے لگے۔ اور چونکہ حدیثیں نئی چیز ہوں گی اور ہر نئی چیز کی طرف طبائع کا رجحان عموماً زیادہ ہوا کرتا ہے اس لئے قرآن سے زیادہ لوگ حدیثوں کی طرف متوجہ ہو جائیں گے چنانچہ بھی ہوا کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا شور ان منافقین نے مچایا اور لوگوں کو جمع احادیث پر اس قدر ابھارا کہ رفتہ رفتہ تمام ممالک اسلامیہ میں ہزاروں راویان احادیث اور سیکنڈوں چامعین احادیث پیدا ہو گئے اور لوگوں کی توجہ قرآن کی طرف سے اس قدر ہٹ گئی کہ علماء و فقہاء و

مفتیین وغیرہم اپنے فتوؤں اور فیصلوں میں قرآن سے استنباط مسائل و احکام کے محض حدیثوں ہی سے کام نہ لیتے تھے۔ اس روایت پرستی کو منوانے کے لئے انھوں نے ایک حدیث گڑھی جس میں قرآن کو بے مثل مانتے سے انکار کیا گیا ہے اور حدیثوں کو قرآن کا مثل بتایا گیا ہے نعوذ باللہ من ذلک حالان کہ یہ روایت بالکل جعلی اور گڑھی ہوئی ہے۔ اس کا وجود بخدا ہی میں ہے نہ مسلم میں، موطا میں تو اس کے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس کے معنیوں کی حقیقت خود ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اصول کے تحت بالکل کٹی گندی ہے، تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

حکۃ حذولی روایت کی حقیقت

قرآن مجید کا یہ دعویٰ ہے کہ ما فرطنا فی للکتاب من شیء (۳۸/۶) اس کتاب میں ہم نے کوئی کی نہیں چھوڑی ہے اور ارشاد ہے و نزلنا علیک الکتاب تبییناً علی کل شیء (۸۹-۱۲) ہم نے اس کتاب کو تم پر اتارا ہے دین کی ہر بات کو واضح طور سے بیان کر دینے کیلئے۔ تبیین کے معنی ہیں کسی بات کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنا۔ احکام دین اور ادوار و نواہی کے لئے کتاب اللہ کی صاف و صریح آیتیں ہی رکھی گئیں جو حضرت جبریل امینؑ کے ذریعے رسولؐ تک پہنچی رہیں۔ اجماعائے نزول سے ختم نزول تک جن کی کتابت، جن کے حفظ اور روزانہ کی تلاوت اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ بلا تاخیر رات دن تمام صحابہؓ میں رہا۔ اس طرح ان آیات کا ایک ایک حرف ہر طرح محفوظ رہا۔ کتاب اللہ کی حفاظت کا جو وعدہ کیا گیا ہے لَنُحِیْطَنَّ بِذَکْرِہٖ وَلَنُحِیْطَنَّ بِذَکْرِہٖ وَلَنُحِیْطَنَّ بِذَکْرِہٖ وَلَنُحِیْطَنَّ بِذَکْرِہٖ (۱۵-۱۶) ہم نے اسی نصیحت

کی کتاب کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں تو اس سے مراد اوراق یا محروف و نقوش کی حفاظت نہیں ہے بلکہ اصل دین کی حفاظت کا وعدہ مقصود ہے۔ اگر دین ہی محفوظ نہ رہا تو کتاب رہی تو کیا اور نہ وہی تو کیا کتاب تو دین ہی کی تعلیم کے لئے آتی ہے اس لئے اس کتاب کی حفاظت کے معنی ہی یہ ہیں کہ دین ہر طرح محفوظ رہے۔ اسی لئے دین کے تمام احکام، سارے ادا مرد نوایں اسی کتاب میں محصور رکھے گئے اور اسی کتاب کو ”تبیانا لکل شئی ۸۹/۱۶“ کہا گیا۔ اگر قرآن سے باہر حدیثوں میں بھی بعض ایسے احکام، بعض ایسے ادا مرد نوایں، اور بعض ایسے حلال و حرام ہیں جن کا تعلق قرآن سے کچھ نہیں یعنی قرآن میں ان کے متعلق اثبات و نفی دونوں حیثیت سے بالکل خاموشی ہے۔ تو پھر قرآن کا یہ دعویٰ کہ یہ کتاب۔ تبیاناً لکل شئی دین کی ہر بات بیان کرنے کے لئے اتری ہے اور اس میں کسی طرح کی کمی نہیں چھوڑی گئی۔ یہ دونوں دعوے غلط ہو جاتے ہیں۔ معاذ اللہ من ذالک و من اصدق من اللہ قیلاً۔ اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہو سکتا ہے؟

وحی تشریعی صرف قرآن ہے

وہ وحی جس کا تعلق احکام شریعت دینی ادا مرد نوایں اور حلال و حرام سے یا تبشیر و تنذیر سے ہے وہ صرف قرآن میں آتیں ہیں۔ جیسا کہ خود قرآن ہی میں فرمایا گیا ہے کہ قل اللہ شہیداً بینی و بینکم و اوحی الی هذا القرآن لا نذر کم به و من بلغ (۶ - ۱۹) ”کہدو (اے رسول) کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے کہ میری طرف سے قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے ہم تمہیں (نتیجہ کفر سے)

ڈرائیں ، اور جس کے پاس یہ پہنچ جائے اس کو بھی ۔ اور فرمایا گیا آخر سورۃ قاف میں وفذکر بالقرآن من یخاف و عید (۵۰-۴۵) جو میری دھمکیوں سے ڈرتا ہو اس کو قرآن کے ذریعے نصیحت کرے تو خیال کیجئے کہ تذکیر و تنذیر تک میں قرآن ہی کا پابند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکھا گیا اس لئے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں بھی لوگوں کو دینی باتیں سمجھاتے ہوں گے تو قرآنی ہی مضامین بیان فرماتے ہوں گے ۔ کیونکہ آپ کو قرآن ہی کی تبلیغ و تبیین اور قرآن ہی کے مطابق تنذیر و تذکیر کا حکم تھا ۔ تو جب تبیین و تنذیر و تذکیر میں قرآن کی پابندی تھی تو پھر قرآن سے باہر اداسرو نوای اور حلال و حرام بیان کرنے کی اجازت کب ہو سکتی ہے ، اور کہاں سے ہو سکتی ہے ؟

احادیث کے لئے قرآن کریم معیار ہے

اسی لئے حدیثوں کی صحت کا اصلی اور قطعی معیار مطابقت قرآن مبین ہے اسلئے کہ یہ ناممکن ہے کہ قرآن میں کچھ فرمایا جائے اور حدیث میں کچھ اور وارد ہو ۔ جس رسول پر قرآن کا اتباع فرض ہو وہ قرآن کے خلاف کس طرح بول سکتے ہیں ، اور قرآن سے باہر دینی احکام کیا اپنے جی سے بیان فرمائیں گے ، جبکہ دینی احکام قرآن سے باہر ہو ہی نہیں سکتے اس لئے حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تكثر لکم الا حادیث بعدی فما روى لکم حدیث عنی فاعرضه ، علی کتب اللہ فما وافقه فاقبلوه وما خالفه فردوه ۔ ” میرے بعد حدیثوں کی بڑی کثرت ہوگی تو جو حدیث میری طرف منسوب کر کے تمہارے سامنے روایت کی جائے ۔ اس کو کتاب اللہ کے سامنے پیش

کرو۔ اگر اس کے موافق ہو تو قبول کرو اور اگر اس کے خلاف ہو تو رد کرو۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں پہلے موجود تھی، بعد کو یارانِ طریقت نے دیکھا کہ اس حدیث سے تو سینکڑوں حدیثیں غلط اور قابلِ رد ٹھہر جائیں گی۔ اسلئے اس حدیث کو بخاری کے نسخے سے نکال پھینکا مگر قدیم کتابوں میں بخاری کے حوالے سے یہ حدیث موجود ہے۔ چنانچہ توضیح و تلویح جو اصول فقہ حنفی کی ہندست مشہور و معروف کتاب ہے اور تقریباً تمام عربی مدارس کے نصابِ تعلیم میں داخل ہے۔ اس میں بخاری کے حوالے سے یہ حدیث مذکور ہے۔ اس پر علامہ تقی زانی نے کچھ خفگی کا بھی اظہار کیا ہے مگر اس روایت کو بخاری کی روایت مانتے ہوئے۔ پھر سید السند نے علامہ تقی زانی کا جواب بھی اپنے حاشیہ میں دیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ بخاری کی حدیث ہے جسکا تمہیں انکار نہیں لہذا اس حدیث کی صحت کیلئے بھی کافی ہے کہ اس کو امام بخاری نے اپنی کتاب میں درج فرمایا۔ غرض ان تینوں بزرگوں کے وقت تک یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود تھی۔ صحیح بخاری کے علاوہ مسند امام احمد میں، جاحظ کی کتاب البیان ج ۲-۱۳ میں، تفسیر ابن جریر طبری ج ۲۵-۶۱ میں، ملا جیون کی تفسیر احمدی میں اور شیعوں کی سب سے پہلی اور سب سے زیادہ مستند کتاب حدیث اصول کافی میں بھی موجود ہے تھوڑے تھوڑے الفاظ کے فرق کے ساتھ۔ اس لئے صحیح حدیثیں وہی ہیں جو قرآن کے مطابق ہوں جو حدیث

۱۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے سب سے دمِ شاگرد اور تاریخ اسلام کے پہلے قاضی القضاۃ امام ابو یوسف نے اپنی کتاب الرد علی سیر لا ذاعی (مسلوہ مدکن) میں حدیث الشیعہ کہہ کر یہ حدیث بیان کی ہے اور اسے اصناف کا بہت نام اصول قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حنفی اصول فقہ کی تمام مستبر کتابوں اصول سنی اور اصول بزدی سے لے کر نور الانوار اور اصول النشائی تک میں اس حدیث کو پیش

بھی خلاف قرآن ہو خواہ وہ کیسے ہی قوی سے قوی اور اعلیٰ سے اعلیٰ اسناد سے کیوں نہ مروی ہو اور کتنے ہی طرق سے اسکی روایتیں آئی ہوں یقیناً اس کے وہ تمام طرق موضوع و مکذوب ہیں۔

سکوت قرآن

کہا جاتا ہے کہ جو حدیث قرآن کے موافق ہو تو وہ تو فریقین کے نزدیک صحیح ہے اور جو حدیث قرآن کے مخالف ہو وہ فریقین کے نزدیک غلط اور موضوع۔ مگر تیسری قسم کی ایسی حدیث بھی ہو سکتی ہے جو ایسے مضامین پر مشتمل ہو جن سے قرآن خاموش ہے اس لئے ایسی حدیثیں اگر قرآن کے موافق نہیں ہیں تو مخالف بھی تو نہیں ہیں۔

مگر یہ سخت دھوکا ہے۔ اگر وہ حدیثیں دینی احکام، شرعی اور ادا و نواہی اور حلال و حرام کے متعلق نہیں ہیں یعنی غیر تشریعی ہیں اور درایت کے بھی خلاف نہیں تو غیر تشریعی ہونے کی وجہ ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح ہوں۔ تو غیر تشریعی حدیثیں ہمارا موضوع بحث نہیں ہیں۔ اور اگر دینی احکام اور حلال و حرام سے ان کا تعلق ہے اور ایسے احکام اور ایسے حلال و حرام بیان کر رہی ہیں جن سے قرآن خاموش ہے تو ایسی حدیثیں ضرور قرآن کے خلاف ہیں۔ ایک موٹی بات تو بھی ہے کہ قرآن جس مسئلے میں خاموش ہے حدیث اگر قرآن کے موافق ہے تو اس کو بھی خاموش ہی رہنا چاہئے۔ ایسی جگہ حدیث کا زبان کھولنا ضرور قرآن کی مخالفت ہے۔

کر کے اس دم اصول کی تائید کی جاتی ہے۔ عالم اسلام میں حنفی حضرات کل مسلم آبادی کا دو چہلٹی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں بیان کردہ اصول کی صحت پر مسلمانوں کی عظیم ترین اکثریت متفق ہے۔ (طاہر)

مگر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ - مثلاً، محدث ۱۰ ایسی حدیثوں کو قرآن کے اس دعوے سے انکار ہے کہ قرآن دین کی تمام باتوں کو بیان کر دینے کے لئے امداد کیا ہے اور یہ کہ دین کی باتوں میں قرآن نے کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے اگر وہ احکام جن کے متعلق قرآن خاموش ہے اور حدیث انکو بیان کر رہی ہے یہ اگر دینی احکام ہیں تو ضرور قرآن میں ان احکام کی کمی رہ گئی اور اس کا مطلب ہوگا کہ تمام دینی باتوں کو قرآن نے بیان نہیں کیا اس لئے ایسی حدیثیں قرآن کے خلاف ہی سمجھی جائیں گی۔ کیونکہ یہ حدیثیں دراصل قرآن کو ناقص ثابت کرنے کے لئے اور اس کے دعویٰ جامعیت کو غلط قرار دینے کے لئے منافقین و ملحدین نے گھڑی ہیں ایسی ناپاک باتیں نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں تو کیا ہونگی کسی سچے ایماندار مومن کا بھی قول نہیں ہو سکتیں۔ محدثین اپنی روایت پرستی کے تحت ان حدیثوں کے معنوی فساد اور اندرونی فتنوں کو نہ سمجھ سکے اور ان کو اپنے مزعومات کے لئے بزعیم خود سند اور حجت سمجھتے ہوئے ان کو اپنی کتابوں میں درج کرنے لگے۔

منافقین کے مراکز

منافقین نے جھوٹی اور مفسدانہ حدیثیں گھڑنے کے اور اسلام کے خلاف مسلسل جدوجہد جاری رکھنے کے لئے جو مراکز بنائے تھے ان میں سب سے پہلا مرکز تو خراسان تھا۔ پھر دوسرا مرکز کوفہ اور تیسرا مرکز شام بنا ایران میں نیشاپور بھی ایک وقت میں اچھا خاصہ مرکز ان منافقین کا رہا ہے مگر آخر میں مستقل اور سب سے بڑا مرکز کوفہ ہو گیا خراسان میں مرو، موصل اور شام کے درمیان نصیبین کا علاقہ، اور شام

کے شہروں میں حصّہ اس میں بہت پیش پیش رہا اور پھر دمشق، قیسیہ
 فلسطین اور مصیہ وغیرہ ان منافقین کی خاص خاص اشاعت گاہیں تھیں
 قدیمی نکال تو خراسان اور اس کے مشہور قصبے مثلاً مرو وغیرہ تھے اور
 نیشاپور، بخارا اور پھر کوفہ، بعد کو نکال بننے گئے مگر کوفہ چونکہ اس طبقے
 کے اکابر کا آخر میں مرجع بن گیا اس لئے سب سے بڑی نکال کوفہ ہی بن
 کر رہا۔ مگر شام کے علاقہ میں حصّہ، مصیہ دمشق وغیرہ میں بھی نکال
 کا انتظام ضرور تھا۔ نکالوں میں جھوٹی جھوٹی حدیثیں باہمی صلاح و مشورہ
 سے گھڑی جاتی تھیں اور ان اشاعت گاہوں سے ان کی اشاعت کا سلسلہ
 جاری کیا جاتا تھا۔ یہ ایک زبردست سازش کے ماتحت سلسلہ جدوجہد تھا
 جس میں ہزاروں آدمی کام کر رہے تھے۔ خاص منافقین تو تابعین کے
 زمرے میں داخل ہو کر عامۃ المسلمین میں اپنا کافی رسوخ پیدا کر چکے تھے
 جن کی تعداد کئی سو سے کم نہ ہوگی۔ مگر ان کے ملاذہ و زریات جو تبع
 تابعین سمجھے جاتے تھے وہ شام و عراق و مصر میں بہت کافی پھیلے ہوئے
 تھے جن میں منافقین کی تعداد تو کم تھی مگر وہ منافقین کے تربیت یافتہ
 تھے اس لئے منافقین عجم کے برابر آلہ کار بنے رہے اور ان کی گھڑی ہوئی
 حدیثوں کو صحیح سمجھ کر ان کی اشاعت ایک دینی خدمت سمجھ کر تا زندگی
 کرتے رہے۔

مثلاً معہ کی روایت کا جائزہ

ابو بکر خطیب بغدادی (ولادت ۳۹۲ھ متوفی ۴۶۳ھ) نے اپنی کتاب
 کفایہ کے ۸ سے ۱۲ تک اس حدیث کے جتنے طرق ان کو ملے ان سب کو
 جمع کر دیا ہے اور ایک باب ہی اس کا اس عنوان سے باندھا ہے: باب

ما جاء في التسوية بين حكم كتاب الله تعالى و حكم سنة رسول
الله صلى الله عليه وسلم في وجوب العمل و للزم التكليف
- یعنی یہ باب ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دونوں کے حکم کی
حیثیت سے برابر ہونے میں اور وجوب عمل اور تکلیف شرعی کے نامزد
لازم ہونے میں یکساں ہونے میں۔ جہاں تک نفس عنوان کا تعلق ہے وہ
تو بالکل صحیح ہے اسلئے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو معنی
ہی یہ ہیں کہ کتاب اللہ کے احکام کی تعمیل جس طرح خود رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے کی، اور رسول کی تعلیم کے مطابق صحابہؓ نے کی، اسی
کو قرآن میں دوسری جگہ اسوۂ حسنہ فرمایا گیا ہے۔ یہ چیز امت کو ہزاروں
صحابہ کرام کے تعامل کے ذریعے حاصل ہوئی جسے پہلے والے بعد والوں کو
اسی تعامل و توارث اور تواتر کے ذریعے پہنچاتے رہے۔ اسی کو رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ما انا علیہ و اصحابی سے تعبیر فرمایا۔ یعنی
میرا وہ طریقہ جس پر صحابہ کرام عمل پیرا رہے کیونکہ بعض احکام رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص تھے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے
اتباع میں کسی کام کو صحابہ کرام نے اختیار کیا تو وہ کام ہم سے بھی
مطلوب ہے اس لئے سنت رسول حاصل کرنے کا مستند ذریعہ سنت
صحابہؓ ہے بھی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے راہ صحابہؓ کو سبیل المومنین
(۱۵-۳) فرمایا (اس پر میری ایک مستقل کتاب بھی شائع ہو چکی
ہے)۔ اگر تعامل صحابہؓ سے ہٹ کر صرف احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو
سوائے ذہنی انتشار کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ تمام باطل فرقوں کا طریقہ بھی
رہا ہے کہ وہ سنت صحابہؓ سے قطع نظر کر کے اپنے حق میں مختلف
روایات پیش کر کے ان پر اپنی عمارت کی بنیاد قائم کر لیتے ہیں۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ کسی کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابی خلفاء کے زمانہ میں عام طور پر سب لوگ کرتے تھے یا نہیں قرآن کریم کی تعمیل جس طرح عہد نبوی اور عہد صحابہؓ میں ہوئی ہمیں بھی اسی کی اتباع کرنی چاہئے کیونکہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے **مَنْ يَطْعِ الرِّسُولَ فَقَدْ اطَّاعَ اللَّهَ** - جس نے اسوۂ رسولؐ کی تعمیل کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی (۴-۸۰) اور فرمایا **وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمَوْحِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّوْا وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ** (۲-۱۱۵) جس نے تعامل صحابہؓ کے علاوہ کسی اور راہ کو اختیار کیا وہ جہنمی ہے - اس سے واضح ہے کہ جس طرح اللہ کی اطاعت محمد رسولؐ کی اطاعت ہی سے ممکن ہے اسی طرح رسولؐ کی اطاعت صحابہؓ کرام ہی کے ذریعے ممکن ہے - مگر ان محدثین کے ہاں تو مراد ہی کچھ اور ہے - ہر حدیث مروی کو سنت قرار دیکر تمام حدیثوں کو وجوب عمل میں قرآن کا ہم پلہ بنانا ان کا مقصود ہے جیسا کہ اس قسم کی حدیثوں سے ظاہر ہے - اس لئے اس باب میں جو حدیثیں جمع کی گئی ہیں ان کو دیکھئے اور عبرت حاصل کیجئے۔

طرق روایات

یہ حدیث مختلف الفاظ و عبارت میں طول و مختصر متعدد طرق سے پانچ صحابیوں سے اور تابعی سے مرسلًا مگر مرفوعاً مروی ہے۔

(۱) حضرت مقدم بن معدی کرب الکندی الشامی سے جو شام ہی میں رہے اور شام ہی میں ۸۷ھ میں ۹۱ برس کی عمر پا کر فوت ہوئے - ان سے دس طرق سے مروی ہے۔

(۲) حضرت ابو ارفع مونی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کوفہ میں رہے۔

اور بقول صحیح حضرت علیؑ کے زمانہ خلافت میں فوت ہوئے ان سے چھ طرق سے مروی ہے۔

(۳) حضرت عریض بن ساریہؓ جو اصحاب صفہ میں سے تھے اور شام میں آکر رہ گئے تھے اور شام ہی میں ۴۵ھ میں وفات پائی۔ ان سے صرف ایک ہی طریق سے مروی ہے۔

(۴) حضرت جابر بن عبد اللہ الخزرجی السلی الانصاری، جن کے سال وفات کے متعلق بہت اختلاف ہے۔ ۴۲ - ۴۳ - ۴۴ - ۴۸ اور ۹۴ھ یہ سب لوگوں نے لکھا ہے۔ ابن عبد البر نے استیعاب میں ۴۲ھ یا ۴۸ھ لکھا ہے۔ مدنیہ میں وفات پائی۔ ان سے دو طریق مروی ہیں۔

(۵) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی دو طریق مروی ہیں۔ ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہکرا اور دوسرا حضرت فاروق اعظمؓ کی طرف منسوب ہے۔

(۶) چھٹا قول علقمہ بن قیس الکوفی کا ہے جس کو مرفوعاً یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے انھوں نے روایت کیا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں مگر جس سال آپؐ کی وفات ہوئی ہے اسی سال ان کی پیدائش ہے اسلئے بلا واسطہ ان کی روایت مرسل ہے متصل نہیں۔ ان کی وفات اور عمر میں بہت سے اقوال ہیں ۶۲ - ۶۳ - ۶۵ - ۶۲ - ۶۳ سب لوگ لکھ گئے ہیں اور نوے برس کی عمر بتائی ہے جو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی۔ جب ۱۰ یا ۱۱ھ میں ان کی ولادت ہے اور زیادہ سے زیادہ ۴۳ھ میں ان کی وفات ہے تو ان کی عمر ۶۳ برس کی ٹھہرتی ہے۔ بہر حال ان سے صرف ایک طریق مروی ہے۔

ان بائیس طرق میں سے گیارہ طرق تو خطیب بغدادی کی کتاب کفایہ میں ہیں اور دو طرق سنن ابو داؤد میں، اور دو ترمذی میں اور دو ابن ماجہ میں۔ اور دو سنن دار قطنی میں اور تین مسند امام احمد میں۔ بہت مناسبت کے ساتھ ان کتابوں میں یہ حدیثیں داخل کی گئیں۔

قابل غور نکتہ

یہ حدیثیں اکابر صحابہؓ مہاجرین و انصار سے مروی نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات مطلقاً راشدین اور اجلہ صحابہؓ اس حدیث سے بالکل بے خبر تھے۔ جو صحابہؓ شام ہی میں رہے اور وہیں وفات پائی، یا کوفہ میں رہے یا اصغر صحابہؓ سے یہ حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ اس قدر کم عمر تھے کہ جنگ بدر و جنگ احد میں شرکت سے ان کو ان کے والد نے روک دیا تھا اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ تو وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت زیادہ سے زیادہ ۱۳ برس کے تھے۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ امام مالکؒ کی موطاء اور صحیح بخاری و صحیح مسلم یہ تین کتابیں جو علمائے حدیث کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر ہیں ان روایتوں سے بالکل خالی ہیں۔ خطیب بغدادی کو نیشاپور میں یہ حدیثیں ملیں۔ مگر امام مسلم جو خود نیشاپوری تھے ان حدیثوں سے بالکل بے خبر رہے۔

آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جس طرح ائمہ صحابہؓ ان حدیثوں سے بالکل بے خبر رہے اسی طرح اکابر محدثین بھی ان حدیثوں سے بے خبر

رہے مسند احمد کے متعلق تو میرا ایک مضمون التاريخ المستند لمسند
 الامام احمد اس بحث کے بعد آ رہا ہے یہ ساٹھ ہزار حدیثوں کا مجموعہ
 دراصل امام احمد بن حنبل کے بہت بعد ایک جماعت و ضاعین و کذابین
 نے مل کر مرتب کیا تھا اس کو امام احمد بن حنبل یا ان کے صاحبزادے
 عبد اللہ سے کوئی سروکار نہیں۔ اس لئے مسند احمد میں ان حدیثوں کے
 ہونے سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے وہ تو موضوعات و مکذوبات کا خزانہ ہی
 ہے اگر اس میں یہ حدیثیں نہ ہوتیں تو تعجب ہوتا۔ بلکہ اس پر تعجب ہے
 کہ عرباض بن ساریہ والی روایت مسند احمد میں نہیں ہے۔ جابر بن
 عبد اللہ والی حدیث ہے اور نہ ابن عباسؓ والی۔ حالانکہ بعض اکابر
 محدثین کا قول ہے کہ جو حدیث مسند احمد میں نہ ہو کچھ لو کہ وہ مشتبہ ہے
 اس لئے کہ تمام کے ذخائر اس میں مجتمع ہیں۔

مشکوٰۃ میں بھی عرباض بن ساریہ کی حدیث نقل کی ہے اور ابو داؤد کا
 حوالہ دیا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ ابو داؤد کے متداول نسخوں میں یہ حدیث
 باوجود کافی جستجو کے نہیں ملی مگر خود صاحب مشکوٰۃ لکھتے ہیں کہ ابو داؤد
 کے سلسلہ روایت میں اشعث بن شعبہ المصی کا نام بھی آتا ہے، اور
 ان کے متعلق ائمہ رجال کو کلام ہے۔ یہ اشعث صاحب خراسانی ہیں۔
 شام کے مشہور قصبہ مصیہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ حافظ ازدی
 نے ان کو ضعیف الحدیث لکھا ہے۔ اسی کی طرف صاحب مشکوٰۃ نے

۱۔ شعبہ لب اللباب میں بکرمیم و تشدید مصاد اول لکھا ہے مگر قاموس میں مصیہ کو بفتح اول
 اور بغیر تشدید کے "سفینہ" کے وزن پر لکھا ہے اور تصریح کر دی ہے کہ ولا تشدد۔ ابو العلاء المعری
 کا یہ مصرعہ بھی صاحب قاموس کی تائید کر رہا ہے۔ لولہ المصیصی خان المجذلی مضر مگر ابن
 السعفی کتاب الاشیاب میں صاحب لب اللباب ہی کی تقلید کر رہے ہیں اور بالکسر تشدید مبادل
 اول لکھتے ہیں۔ (تمنا)

مثن حدیث

ان بائیس طرق کی ہر حدیث کو معہ اسناد لکھنا اور ان کا ترجمہ پیش کرنا بہت طوالت طلب ہے۔ اس لئے چونکہ ان تمام طرق میں سب سے زیادہ روایتیں حضرت مقدم بن معدی کرب سے مروی ہیں اس لئے انھیں سے جو سب سے بڑی اور مکمل حدیث روایت کی گئی ہے میں اسی کو نقل کر کے اس کا ترجمہ کر دیتا ہوں۔ باقی حدیثوں کو اسی پر قیاس کر لیجئے۔ اختلاف الفاظ و اضطراب مضامین کو کہاں تک دکھاؤں گا۔ نفس مضمون حدیث کے اختلاف و اضطراب سے قطع نظر کر کے صرف ان کے راویوں کو دیکھئے۔ اسی قدر ایک دیانتدار انصاف پسند کے سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ تو حضرت مقدم سے یوں روایت کی گئی ہے۔

(قال ابو بکر الخطیب فی الکفایہ) اخبرنا ابو محمد الحسن بن علی بن احمد بن بشار النیسابوری بالبصرہ قال ثنا ابو بکر محمد بن احمد بن محمود العسکری قال ثنا سلیمان بن عبد الحمید البهرانی قال ثنا علی بن عیاش و ابو الیمان قالَا حد ثنا حریر بن عثمان قال حد ثنی عبد الرحمن بن ابی عوف الجرشی عن المقدام بن معدیکرب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قال الا انی اوتیتہ الكتاب و مثله معہ ، الا انی قد اوتیت القرآن و مثله - الا یوشک رجل شیعان علی اریکہ بقول علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوه - و ما وجدتم فیہ من حرام فحرّموه - الا لا یحل لکم الحمار الا ہلی ولا کل ذی ناب من السباع ولا لقطة من مال معاهد الا ان یستغنی عنها صاحبها۔

یعنی ابو بکر خطیب بغدادی نے اپنی کتاب کفایہ میں لکھا ہے کہ ہمیں خبر دی ابو محمد الحسن بن علی بن احمد بن بشار النیسابوری نے بصرہ میں ان سے حدیث بیان کی ابو بکر محمد بن احمد بن محمود العسکری نے ان سے بیان کی سلیمان بن عبد الحمید البهرانی نے - ان سے علی بن عیاش اور ابو الیمان (حکم بن نافع) نے - ان دونوں نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی حریر بن عثمان نے - انھوں نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی عبد الرحمن بن ابی عوف الجرجسی نے انھوں نے حضرت مقدم بن معدی کرب سے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یاد رکھو کہ میں کتاب دیا گیا ہوں اور اس کے مانند (اور بھی) اسی کے ساتھ - یاد رکھو کہ میں قرآن دیا گیا ہوں اور اس کے مانند - یاد رکھو کہ عنقریب ایک شخص جس کا پیٹ بھرا ہوگا اپنے تحت پر بیٹھا ہوا کہے گا کہ لازم پکڑ لو اسی قرآن کو - تم جو کچھ اس قرآن میں حلال پاؤ اس کو حلال سمجھو اور جو کچھ اس میں حرام پاؤ اس کو حرام سمجھو - یاد رکھو

۱۔ غائبہ اشارہ اس حدیث کے گھڑنے والے رافضی نے صدیق اکبر کی طرف کیا ہے۔ کیوں کہ محدثین نے انھیں گایہ ارشاد نقل کیا ہے جب کہ امام ذہبی نے تذکرۃ الخلفاء میں بیان کیا ہے اور مولانا مناظر حسن گیلانی نے بھی اپنی مکتبہ تدوین حدیث میں اسے درج کیا ہے کہ صدیق اکبر نے رسول اللہ کی وفات کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم لوگ رسول اللہ سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو جن میں بلام اختلاف کرتے ہو اور تمہارے بعد کے لوگ اختلاف میں زیادہ سخت ہو جائیں گے۔ پس چلیے کہ رسول اللہ کی طرف منسوب کر کے کوئی بات نہ بیان کیا کرو۔ ہر اگر تم سے کوئی کچھ پوچھے تو کہہ دیا کرو کہ بیننا و بینکم کتاب اللہ فاستحلوا حلالہ و حرّموا جرمہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب موجود ہے۔ اسکے حلال کو حلال کھا اور اسکے حرام کئے ہوئے کو حرام قرار دو۔ (تدوین حدیث مطبوعہ مجلس علی کرچی ص ۳۲۱) علامہ متنا کے اسی مضمون کے آخر میں خود بخاری کے حوالہ سے حضرت عبد اللہ بن عباس کا اسی قسم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے جس سے صدیق اکبر کی تاکید اور اس رافضیانہ روایت کی تردید ہوتی ہے جس میں قرآنی پیغام ظہا تو حدیث مطہ (۳۳-۵۲) کا مقابلہ کر کے مظہر معہ کو مسلمانوں سے منوانے کی کوشش کی گئی ہے۔ (ظاہر)

تمہارے لئے اہلی حرام (پالتو گدھے) کا گوشت حلال نہیں اور نہ کسی نوکیلے
دانت والے درندے کا گوشت۔ اور نہ پڑا ہوا مال کسی ایسے کافر کا جس
سے صلح کا معاہدہ ہو چکا ہو مگر یہ کہ وہ اپنے اس مال سے بے پرواہ ہو چکا
ہو۔

یہی روایت ہے جو تھوڑے تھوڑے ادل بدل اور کمی بیشی کے ساتھ
بائیس طرق سے پانچ صحابہؓ اور ایک تابعی سے مروی ہے۔ بعض
روایت میں کچھ غیر معمولی اور اہم فرق ہے اس کو اس روایت کی تنقید
کے وقت ظاہر کر دیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

بائیس طرق کے سلسلہ اسناد

حضرت مقدم بن معدی کرب کی طرف منسوب جو دس طریقوں سے

پالتو گدھے کا گوشت خورد و خوراک کے نزدیک مختلف فیہ ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ
اس کو حرام نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ آخر کتاب میں آپ پڑھیں گے باقی رہا ان دونوں
کا گوشت تو وہ قرآن ہی سے حرام ہے۔ اہل کلم بھینچہ الا نعام سے ظاہر
ہے کہ غیر ہیثمۃ الانعام یعنی درندے حرام ہیں۔ پڑا ہوا مال کسی کا بھی ہو جب اس کا
مالک معلوم ہو یا جب تک اس کا گمان ہے کہ اس کا مالک آجائے گا اس وقت تک
عقلاً حرام ہے اور قرآن سے بھی معاہدہ کفار یا زیون کا معاملہ وہی ہے جو عام
مسلمان کا ہے۔ معاہدے جس انداز کے ہوں ان کی پابندی قرآن کی رو سے فرض ہے
غیر معاہدہ بھی جو غیر حربی ہیں ان کے مال پر بھی بے جا تصرف جائز نہیں البتہ جو حربی
ہیں جن سے جنگ جاری ہے یا جو جنگ پر تلے ہوئے ہیں ان کو ضرور ہر ممکن نقصان
پہنچانا عقلاً جائز ہے۔ قرآن بھی اس کی اجازت دیتا ہے (تمنا)

یہ حدیث منسوب کی گئی ہے اس کے سلسلہ استاد کو ملاحظہ فرمائیے۔

یہ روایتیں جو مقدم بن معد یکرب کی طرف منسوب ہیں ان کو حضرت مقدم سے صرف دو شامی روایت کرتے ہیں ایک تو حسن ابن جابر النخعی الشامی دوسرے عبدالرحمان بن ابی عوف الجرجسی الشامی النخعی۔ اول الذکر صاحب سے اس حدیث کے سوا اور کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ یہ صرف اسی حدیث کو روایت کرنے کے لئے زمرہ روات میں داخل ہو گئے یا داخل کر دیئے گئے۔ دوسرے صاحب شامی تو تھے ہی، شام کے مشہور شہر حمص کے قاضی بھی تھے اسی لئے بعضوں نے شامی تابعی ثقہ لکھ دیا ہے مگر یحییٰ بن سعید القطان نے صاف کہا دیا کہ یہ مجہول الحال ہیں یعنی ان کا ثقہ یا غیر ثقہ ہونا معلوم نہ ہو سکا۔ صرف تابعی ہونے سے ثقہ کہنا صحیح نہیں۔

پھر اول الذکر یعنی یحییٰ صاحب سے معاویہ بن صالح النخعی الشامی ہی صرف اس کی روایت کرتے ہیں۔ معاویہ بن صالح کے متعلق ہتذیب الہتذیب میں ہے کہ یحییٰ بن سعید ان کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے، اور ابن معین ان کو ناپسندیدہ شخص قرار دیتے تھے اور جب عبدالرحمان بن ہمدی ان کی حدیث روایت کرتے تھے تو یحییٰ بن سعید ابن ہمدی کو ڈالتے تھے۔ اور ابو اسحق الفراءزی نے کہا کہ یہ شخص اس قابل نہیں ہے کہ اس کی کوئی حدیث روایت کی جائے۔ اور ابو حاتم نے کہا کہ ان کی حدیثیں سند و جہت نہیں ہیں۔

زید بن حباب الخراسانی الکوفی اس حدیث کو بواسطہ معاویہ بن صالح ہی روایت کرتے ہیں مگر ایک طریق میں بلا واسطہ یہ حسن بن جابر النخعی النخعی سے روایت کرتے ہیں جو ناممکن ہے اس لئے کہ حسن بن جابر

النجی کی وفات ۱۲۶ھ میں ہے اور زید بن حباب کی وفات ۲۰۳ھ میں ۷۲ برس کی عمر میں ہے یعنی زید بن حباب مسن بن جابر النجی کی وفات کے چار سال بعد پیدا ہوئے تھے اس لئے یقیناً اس سلسلہ روایت میں جو مسند امام احمد میں مذکور ہے راوی کو دونوں کا سال وفات معلوم نہ تھا اس لئے دروغ بے فروغ کا مرتکب ہو گیا اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ غلطی سے معاویہ بن صلیح کا نام زید بن حباب کے نام کے بعد چھوٹ گیا ہے اس لئے کہ پہلے زید بن حباب کی روایت بواسطہ معاویہ بن صلیح حسن بن جابر النجی سے لکھکر پھر تحویل کی نوعیت قائم کر کے زید بن حباب کی روایت بلا واسطہ حسن بن جابر سے بیان کی ہے اگر جہاں بھی معاویہ بن صلیح کا نام موجود ہے اور کاتب سے چھوٹ گیا ہے تو یہ اصل روایت کا اعادہ فضول ہوا، تحویل نہ ہوئی۔ اس لئے ضرور یہ تحویلی نوعیت معاویہ بن

۱۔ اصل روایت یوں ہے حدیثنا عبد اللہ قال حدیثی ابی ثناء عبد الرحمن وزید بن حباب قالنا ثنا معاویہ بن صالح عن الحسن بن جابر۔ قال زید فی حدیثہ الحسن بن جابر قال سمعت المقدام بن معدی کرب یقول۔ یعنی نام سے عبدالرحمن بن معدی کرب زید بن حباب دونوں نے معاویہ بن صلیح سے اور انہوں نے حسن بن جابر سے روایت کی مگر ہذا زید بن حباب نے بلا واسطہ بذات خود حسن بن جابر سے بھی روایت کیا۔ اس روایت کو ہم اس لئے نقل سمعت المقدام بن معدی کرب یقول حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم خیر لشیاء ثم قال یوشک احدکم ان یکذب فی وحو متکی علی اریختہ یحدیث یحدیث فیقول بیئنا و بینکم کتاب اللہ فما وجدنا فیہ من حلال استحلناہ وما وجدنا فیہ من حرام حرمنہ۔ الاول ان ما حرم رسول اللہ مثل حرم اللہ۔ یعنی حسن بن جابر نے کہا کہ میں نے مقدام بن معدی کرب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کے دن چند چیزیں حرام فرمائی۔ پھر آنحضرت نے فرمایا کہ معتریب تم میں کا کوئی تمکو جھٹکائے گا اور وہ تمکو لگائے اپنے تحت پر ہو گا میری حدیث بیان کی جائیگی تو وہ بچے گا۔ بارے برابرے درمیان کتاب اللہ سے تو ہم لوگ کتاب اللہ میں جس کو حلال پائیں گے اس کو حلال کہیں اور جس کو اس

معدی کرب سے روایت کرتے ہیں۔ اس سلسلہ روایت کو بھی سن لیجئے
تو صرف ایک سلسلہ روایت جو دارقطنی میں ہے اس میں عبدالرحمان بن
ابی عوف الجرشی الحمصی سے مردان بن روہ الحمصی ان سے محمد بن الولید
الزیدی الحمصی۔ ان سے بقیہ ابن الولید الحمصی، ان سے ابو عتبہ احمد بن
الفرج الحمصی، ان سے محمد بن سلیمان النعمانی، ان سے دارقطنی روایت
کرتے ہیں۔ دارقطنی کے شیخ محمد بن سلیمان النعمانی تو بالکل مجہول الحال
ہیں جن کا ذکر کتب رجال میں نہیں ملتا۔ مگر ان سے اوپر مقدم بن
معدی کرب کے بعد سے ہر راوی شامی حمصی ہے۔ بقیہ ابن الولید الحمصی
کے متعلق ہتھکڑی بہتہذیب میں ابن حجر لکھتے ہیں کہ ہر آنے والے
جانے والے سے یہ حدیث لکھ لیا کرتے تھے۔ ابن عیینہ لوگوں کو منع

عبدالرحمن بن معدی مذکور معاویہ بن صالح سے اور وہ حسن بن مبارک سے اور وہ مقدم بن معدی
کرب سے۔ کفایہ میں لکھتے ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ اس روایت میں یوشک احد کم
ابن یزید بن کالظہ نہیں ہے صرف یوشک رجل متکی علی اریکۃ حدیث معدی بن ابی ہے۔ اور آخر میں
صلیٰ ماہرم اللہ کے بعد عروہ بن زید بن حبیب کا نام نہیں
ہے۔ بہر حال یہ تمام طرق اور ساری تحویلات معاویہ بن صالح الشامی الحمصی کی شکم زدوں میں
کے بعد والوں کی کثرت طرق و تحویلات اس روایت کو مطلق قوت نہیں پہنچا سکتے۔ جب کہ اس کی
جوڑی کھوکھلی ہے اس لئے کہ جو شخص بھی اس کو روایت کرتا ہے وہ معاویہ بن صالح ہی سے
روایت کرتا ہے اور ان کا اصل متن میں ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی کوئی
حدیث روایت کی جائے۔ خصوصاً جو حدیث درایت قرآنیہ کے بالکل خلاف ہو۔ بلکہ قرآن کی
تکذیب کر رہی ہو۔ ان تمام حدیثوں کے الفاظ ان کا عنوان بیان نور ان کی رکاکت مضمون پکار پکار
کر اپنی موضوعیت و تکذوبیت کی شہادت دے رہی ہے۔ جس کو تھوڑی سی بصیرت فی الحدیث ہو وہ
اسکو پہلی نظر میں سمجھ سکتا ہے۔ مگر افسوس برار کے جذبہ روایت پر سہا کا کہ کیسے کیسے باہرین و
ناقدین حدیث اپنی غرض کے ماتحت ایسی لغو و برباد موضوعات کو حدیث نبوی قرار دے کر اس سے
استدلال کرنے لگے۔ ”ہاں ہے جبکہ الشیء یعیس ویصم۔“ توئی غرض کے پیچھے بلا لاہو جانا ہے۔
حق و باطل کچھ نہیں سمجھتا۔ (تمنا)

کرتے تھے کہ بقیہ سے سنن کی حدیثیں نہ لکھا کرو۔ یہ متروکین اور ضعفاء سے روایت کیا کرتے ہیں اور ان کے ناموں اور کینیتوں میں ہمیر پھیر کیا کرتے ہیں۔ ابو حاتم نے کہا کہ ان کی حدیث لکھ لی جائے مگر وہ سند و تحت نہیں ہے۔ ابو مسہر غسانی نے کہا کہ بقیہ لیست احادیثہ نقیۃ فکن منھا علی تقیۃ یعنی بقیہ کی حدیثیں (غلطوں سے) پاک نہیں، ہیں اس لئے ان کی حدیثوں سے بچتے ہی رہنا چاہئے۔ امام احمد نے کہا کہ بقیہ نے عبید اللہ بن عمر سے بہت سی منکر حدیثیں روایت کی ہیں۔ ابن خزیمہ نے کہا کہ بقیہ کی حدیثوں کو میں حجت نہیں سمجھتا۔ امام احمد نے یہ بھی فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ بقیہ صرف غیر معروف ہی لوگوں سے منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں مگر یہ تو مشہور لوگوں سے بھی منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں پائے جاتے ہیں۔ تو ہم نے غور کیا کہ آخر کہاں سے یہ حدیثیں لائے۔ تو پتا ملا کہ عدلیس کے ذبیحہ۔ (یعنی مجہول راویوں کا نام اڑا کر ان کی جگہ مشہور راویوں کا نام رکھ دیا کرتے تھے) اور بھی بہت کچھ بقیہ کے متعلق لکھا ہے۔ بقیہ ۱۱۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۷ھ میں وفات پائی۔ مگر اب بقیہ کے شاگرد صاحب کا حال سنئے اس حدیث کو بقیہ سے احمد بن الفرج ابو عتبہ الحمصی روایت کر رہے ہیں۔ یہ جامع حمص میں مؤذن تھے۔ محمد بن عوف نے ان کو جھوٹا کہا اور ان کی بری حالت بتائی، ابو ہاشم عبدالغفار بن سلامہ نے بھی بیان کیا کہ ہم نے اپنے اکثر شیوخ سے ان کے جھوٹے ہونے کے متعلق سنا۔ یہ بھی صاف لکھ دیا کہ بقیہ کی جو حدیث بھی یہ روایت کرتے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔ ان کی حدیثوں کے متعلق یہ اکذب الملق ہیں۔ اتنی تصریح کے بعد وار قطنی کی اس روایت کے متعلق کچھ کہنے کی اب ضرورت باقی نہیں

معلوم ہوتی۔

اب ایک آخری سلسلہ حضرت مقدم بن معدی کرب کی طرف منسوب حدیث کا رہ گیا اور وہ صرف حریر بن عثمان الحمصی سے چلتا ہے یہ حریر صاحب ہنایت کثر قسم کے خارجی مشہور ہیں، ان کا معمول تھا کہ صبح شام ستر ستر مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت کیا کرتے تھے اور مسجد میں جاتے تھے تو نماز کے بعد بغیر ستر مرتبہ لعنت کئے مسجد سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ شیعوں نے ایک جھوٹی حدیث بنا کر جو مشہور کی کہ انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو فرمایا کہ تم میرے لئے ویسے ہی ہو جیسے ہارون موسیٰ کے لئے تھے، تو اس کو سن کر حریر حمصی نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں نہیں فرمایا تھا بلکہ یوں فرمایا تھا کہ انت منی بمنزلہ قارون و من موسیٰ۔ تم میرے لئے ویسے ہی ہو جیسے موسیٰ کے لئے قارون تھا۔ معاذ اللہ من ذالک۔

مگر تعجب ہے کہ ان کے بعض شیوخ بھی شیعہ تھے اور بعض ملاحذہ بھی شیعہ اور حدیثیں یہ شیعوں کے مسلک کے مطابق بہت روایت کیا کرتے ہیں جس سے شبہ یہ ہوتا ہے کہ شاید یہ بھی تقیہ کی ایک شکل ہو کہ اپنے کو خارجی مشہور کر کے شیعہ مذہب کے مطابق روایت کرتے رہو کہ یہ کہنے کا موقع ملے کہ یہ حدیث تو ایک سخت کثر خارجی روایت کر رہا ہے۔ کوئی شیعہ اس کا راوی نہیں ہے۔ بہر حال محدثین ان کی حدیثیں روایت کرتے ہیں اور ان کو ثقہ سمجھتے ہیں مگر آپ کو ان کا حال معلوم ہو گیا کہ یہ شامی ہیں حمصی ہیں اور شیعوں نے ایک جھوٹی حدیث بنائی تو انھوں نے اس کے جواب میں اس سے زیادہ ناپاک جھوٹی حدیث بنا کر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی ہمت لگائی۔ کیا اس پر بھی یہ اللہ ہی رہیں گے؟

تو اب ان حربہ سے یزید بن ہارون الواسطی العراقی ان سے احمد بن حنبل، ان سے عبد اللہ بن احمد روایت کرتے ہیں۔ یزید بن ہارون واسط کے رہنے والے بن العراقین یعنی کوفہ و بصرہ کے درمیان شہر واسط ان کا گھر تھا ان کے متعلق ہتذب الہتذب میں ہے کہ لا یعیز ولا یبالی عنہم روی یہ کچھ تمیز نہیں کرتے تھے اور کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے کہ کس سے روایت کر رہے ہیں۔ آنکھ سے معذور ہو گئے تھے تو اپنی لونڈی سے اپنی کتاب لکھا کر لوگوں کو حدیث اس سے پڑھا کر روایت کیا کرتے تھے جس سے حدیث لکھواتے تھے اس کا نام ہارون تھا وہ ان کی حدیثوں میں لکھنا پڑھا دیا کرتا تھا تو اس کو ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ تم جو کچھ کر سکتے ہو کرو مٹھکو تینس ہزار حدیثیں یاد ہیں مگر پھر بھی لونڈی سے پڑھا کر پڑھا کر حدیث روایت کرتے تھے۔ اور اسی کاتب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی حدیثیں۔

ہتذب الہتذب میں ضحاک بن عبد الوہاب کا قول حربہ کے متعلق لکھا ہے ہو متروک مقہم۔ ازوی، ابن عدی وغیرہ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان سے روایت کرنا نہیں چاہئے۔ لیکن مسند امام احمد کے متعلق تو ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اس کو وضاعین و کذابین ہی نے مرتب و مدون کیا ہے اس لئے اگر عالی سے عالی اسناد کے ساتھ بھی مسند احمد میں کوئی حدیث درایت قرآنیہ کے خلاف ہو تو اس کو موضوع ہی سمجھنا چاہئے۔ تن حدیث کے ساتھ ساتھ اس کے وہ اسناد بھی موضوع ہیں۔ غرض مسند احمد کی کوئی حدیث بھی حجت و سند نہیں ہو سکتی۔

دوسرا طریق سنن ابو داؤد والا ہے جس کو حریری عثمان سے ابو عمرو بن کثیر بن دینار ان سے عبد الوہاب بن نجدہ ان سے ابو داؤد روایت کرتے ہیں۔ مگر نہ فقط شد حین ابو داؤد بلکہ دنیائے محدثین کو حیرت ہے کہ یہ ابو عمرو بن کثیر کون شخص ہے تمام شد حین ابو داؤد نے تمام کتابیں اسماء الرجال کی چھان ماریں مگر اس نام کا کوئی آدمی ملتا ہی نہیں خلیل احمد دیوبندی رحمۃ اللہ اپنی کتاب البذل المہود فی شرح سنن ابی داؤد میں اس حدیث کی شرح لکھتے ہوئے، لکھتے ہیں کہ ابو داؤد کے تمام قلمی و مطبوعہ نسخوں میں اسی طرح ہے مگر میں نے اسماء الرجال اور حدیث کی تمام کتابیں چھان ڈالیں کہیں بھی اس نام کے مسکئی کا پتہ نہ چلا۔ یہی حال شمس الحق صاحب عون المعبود شرح سنن ابی داؤد کا ہے۔ بلکہ انھوں نے یہ بھی لکھ دیا کہ منذری کے نسخہ ابو داؤد میں یہ حدیث ہی نہیں ہے۔ غرض یہ ایک مفقود الخبر اسم بے مسکئی سے روایت ہے اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے اور اس حدیث کو جو اس اسم بے مسکئی سے روایت کر رہے ہیں۔ عبد الوہاب بن نجدہ یہ بھی محض ہی ہیں اس لئے ممکن ہے کہ اگر واقعی ابو عمرو بن کثیر بن دینار کوئی شخص تھا تو محض ہی ہوگا جو ایسا گمنام ہے جس کا کہیں پتہ نہیں ملتا کیوں کہ عبدالرحمن بن ابی عوف الجرجسی خود بھی محض تھے اور ان سے جتنے طرق سے بھی یہ حدیث روایت کی گئی ہے ان میں صرف محض ہی محض نظر آتے ہیں۔

اب ایک طریق اور باقی رہ گیا جس کو حریری عثمان احمسی سے ابو الیمان حکم بن نافع احمسی اور علی بن عیاس احمسی دونوں روایت کرتے ہیں اور ان دونوں سے سلیمان بن عبد الحمید السمرانی احمسی روایت

۱۔ ابو الیمان مات علی ما قبل البخاری ۲۲۲ھ۔ ۲۔ علی بن عیاس ولادت ۱۲۳ھ وفات ۲۱۹ھ۔

۳۔ سلیمان وفات ۲۴۳ھ بمصر ۵۹ سال (تقریباً)۔

کرتے ہیں۔ یہ سلیمان بن عبد الحمید البہرانی المصنف ۵۹ برس کی عمر میں ۲۷۲ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے اور ابو الیمان کی وفات ۲۲۲ھ میں ہے اس لئے ابو الیمان کی وفات کے وقت یہ بہرانی صاحب سات برس سے زیادہ کے نہ تھے اور علی بن عیاش کی وفات ۲۱۹ھ میں ہے اس لئے ان کی وفات کے وقت بہرانی صاحب صرف چار برس کے تھے۔ تو یہ بہرانی، ابو الیمان اور علی بن عیاش سے کس طرح روایت کر رہے ہیں۔ جب ہی تو ان بہرانی صاحب کے متعلق امام نسائی نے فرمایا ہے کہ کذاب لیس بشقہ ولا مامون - کذا فی تہذیب التہذیب ج ۲ - ۲۰۶ ترجمہ سلیمان بن عبد الحمید۔

تو حضرت مقدم بن معد یکرب کی طرف منسوب تمام طرق کا حال آپ کو آئینے کی طرح معلوم ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ تمام طرق شام کے مشہور شہر حمص ہی میں گھڑے گئے اور وہیں سے پھیلے۔

ابو رافع والی حدیث

دوسری حدیث وہ ہے جو حضرت ابو رافع کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ حضرت ابو رافع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ روایت ان سے ان کے صاحبزادے حضرت عبید اللہ بن ابی رافع اور ان سے سالم ابو النضر روایت کرتے ہیں۔ یہ سالم ابو النضر عمر بن عبداللہ القسبی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کی وفات ۱۲۹ھ میں اکسٹھ سال کی عمر میں ہوئی۔ اور عبید اللہ بن ابی رافع کی وفات قسۃ عبداللہ بن الزبیر میں ۷۳ھ میں ہوئی۔ جس وقت سالم ابو النضر صرف چار برس کے تھے اس لئے سالم ابو النضر کا بلا واسطہ عبید اللہ بن ابی رافع سے روایت کرنا عقل کے خلاف ہے۔ ابن جر نے جتہذیب التہذیب میں سالم ابو النضر

گئی روایت عوف بن مالک سے بھی مرسل ہی لکھی ہے اور عوف بن مالک کی بھی وفات ۵۹۲ ہجری میں ہے۔ اس لئے حضرت ابو رافع کی طرف منسوب حدیث کے بھی سارے طرق کو چونکہ سالم ابو النضر ہی عبید اللہ بن ابی رافع سے روایت کر رہے ہیں اور سالم ابو النضر کی روایت عبید اللہ بن ابی رافع سے بلا واسطہ صحیح نہیں ہو سکتی اس لئے یہ تمام طرق بھی حضرت مقدم بن معاذ کرب کی طرف منسوب حدیث کے طرق کی طرح سرے سے موضوع اور محض افتراء اور عبید اللہ بن رافع پر بہتان ہے۔

ابو رافع والی حدیث کے راویوں میں بھی خراسانی، کوئی اور مجروحین ہی کی تعداد نظر آتی ہے۔ مگر اس شجرہ روایت کی جڑ ہی جب کٹی ہوئی ہے تو خواہ مخواہ باقی راویوں کے حالات پر بحث کر کے مضمون کو طول کیوں دیا جائے اس لئے اس حدیث ابو رافع کے متعلق اب کچھ اور لکھنے کی ضرورت نہیں محسوس کرتا ہوں۔ درخانہ اگر کس است حرفے پس است۔

عریاض بن ساریہ والی حدیث

حضرت عریاض بن ساریہ کی طرف جو حدیث منسوب کی گئی ہے اسکی روایت حضرت عریاض سے حکیم بن عمر المصی کرتے ہیں اور ان سے ارطاة بن المنذر المصی، ان سے اشعث بن شعبہ الخراسانی المصی جن کے ضعیف الحدیث ہونے کی طرف صاحب مشکوٰۃ نے خود اس حدیث کو نقل کر کے اشارہ کیا ہے اور ازدی وغیرہ نے جن کو ضعیف الحدیث کہا ہے ان سے محمد بن عیسیٰ بن الطباع روایت کرتے ہیں جو اؤنتر ساحل

۱۔ محمد بن الحسن بن علی بن بریدہ ہمدانی الموصلی المتوفی ۳۰۴ھ کی کتاب برہ و تعدیل میں مشہور ہے۔ ان کا رد ذہبی نے ذکر مصنفہ ص ۳۶۶ ج ۳ میں اور ماہی ج ۱ نے لسان المیزان ص ۹۰ ج ۱

شام کے رہے والے تھے ان سے محمد بن احمد بن الولید بن بردالا نطاکی روایت کرتے ہیں ان سے مکرم بن احمد بن محمد بن مکرم القاضی۔ ان سے ابو علی الحسن بن ابی بکر بن شاذان اور ان سے ابو بکر خطیب بغدادی اپنی کتاب کفایہ میں لکھتے ہیں یہ ابو بکر بن شاذان دراصل فضل بن شاذان النیشاپوری مشہور شیعہ محدث ہیں۔ ان کے بیٹے ابو علی الحسن بن نیشاپور کے رہنے والے اور کٹر افضلی تھے۔ یہ اور ان کے بھتیجے ابو سعید محمد بن موسیٰ بن فضل بن شاذان وضع احادیث میں بڑے ماہر تھے۔ خود شیعوں میں بھی ان دونوں پر بڑا بھتیجے کا کوئی اعتماد و اعتبار نہ تھا۔ غیر معروف لوگوں سے باہر والوں کے سلمے روایت کیا کرتے تھے۔ چونکہ فضل بن شاذان باوجود شیعہ ہونے کے عام لوگوں میں ایک وقار و اعتماد رکھتے تھے اس لئے ان کے بیٹے اور پوتے ان کے اثر سے ناجائز فائدہ اٹھا کر باہر والوں کے سلمے اپنی من گھڑت حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔

سنیوں کے رجال کی کتابوں میں تو ان جیسوں کا ذکر ہونے کی کوئی خاص وجہ نہ تھی مگر غیر اللہ ہونے کی وجہ سے شیعوں کی بھی مختصر کتابوں میں ان دونوں کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ علامہ تفریسی نے اپنی کتاب نقد الرجال میں ان دونوں کا ذکر کیا ہے اور دونوں کو وضاع و کذاب لکھا ہے اور پھر خطیب بغدادی جن کی ولادت ۲۹۲ھ میں ہے یہ ۳۱۵ھ میں ۲۳ سال کی عمر میں نیشاپور گئے تھے۔ اس وقت ان کو اتنی مہارت کہاں تھی کہ کھونے کھرے کی تمیز کرتے فضل بن شاذان کا غلطہ نیشاپور میں سنا۔ ان کے بیٹے، پوتے سے ملے اور ان سے حدیثیں بھی لے لیں۔

مگر یہ فضل بن شاذان صاحب کے بیٹے ابو علی الحسن بن شاذان سے روایت کر رہے ہیں یعنی مکرم بن احمد بن محمد بن مکرم القاضی یہ بالکل

مفتقد و تجربہ شخص ہیں ان کا پتا کہیں نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کوئی اسم بے مسکنی ہے۔ اور یہ مکرم بن احمد صاحب روایت کرتے ہیں۔ محمد بن احمد بن الولید بن برد اللطاکی سے۔ ابن حجر اور حافظ ذہبی تو ان کا ذکر نہیں کرتے ہیں، مگر ابن السمعانی نے ان کا ذکر لیا ہے اور لکھا ہے ۴۷۸ھ میں ۵۹ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مگر یہ اللطاکی صاحب روایت کرتے ہیں محمد بن عینی بن الطباع سے جن کی وفات ۴۲۳ھ میں اور ولادت ۱۵۰ھ میں ہے۔ تو اللطاکی صاحب تو ابن الطباع کی وفات کے وقت پانچ برس سے زیادہ کے نہیں ٹھہرتے۔ پھر یہ اللطاکی روایت سے ابن الطباع سے کس طرح صحیح ہو سکتی ہے اور اصل یہ سلسلہ اسناد سی ابو علی حسن بن ابی بکر بن شاذان کی من گھڑت ہے۔ متن حدیث نامی گھڑی اور اسناد بھی جوڑ لئے۔ راویوں کے سنین ولادت و وفات کا یاد رکھنا خصوصاً اس وقت جبکہ یہ فن پوری طرح مرتب و مدون بھی نہیں ہوا تھا کچھ کھیل نہ تھا اور پھر کون اتنی جستجو کرتا ہے یہ ہتھکڑا انداز و قرائن سے کام نکالا مگر دروغ کو فروغ نہیں ہوتا۔ آخر کبھی نہ کبھی جھوٹ طشت از بام ہو کر رہتا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار برس کے بعد یہ وقت رکھا تھا۔

جابر بن عبد اللہ والی حدیث

حضرت جابر بن عبد اللہ کی طرف جو حدیث منسوب کی گئی ہے اس کی روایت حضرت جابر سے محمد بن عبد المنکدر کرتے ہیں اور ان سے صرف دو شخص عباد بن کثیر اور یزید الرقاشی یزید بن آبان البصری الرقاشی کے بارے میں ہتھکڑا ہتھکڑا میں ہے کہ امام شعبہ فرماتے تھے کہ میں

ان سے حدیث روایت کرنے سے زنا کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ اس کی حدیث لکھنی نہیں چاہئے۔ یہ سخت منکر الحدیث ہے۔ نسائی اور حاکم نے کہا کہ یہ متروک الحدیث غیر ثقہ ہے اور یہ بھی کہا کہ اس سے حدیث روایت کرنا جائز نہیں ہے۔ وغیرہ الک۔ اور عباد بن کثیر البصری کو تو صاف وضلع و کذاب لکھا ہے۔ عباد بن کثیر سے اس حدیث کی روایت عباد بن صہیب۔۔۔۔ کرتے ہیں جو اپنے استاد عباد بن کثیر سے بھی زیادہ الکذاب العباس ہیں۔

قیاس کن زنگستان من بہار مرا

ابن عباسؓ والی حدیث

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب دو حدیثیں ابو بکر خطیبؓ نے کفایہ میں اس موقع پر نقل کی ہیں جن میں سے ایک مذکورہ بالا قسم کی حدیث ہے وہ یہ ہے۔ ابو بکر خطیبؓ لکھتے ہیں کہ مجھے خبر دی حسن بن ابی طالب نے، ان سے عمر بن احمد بن عثمان الواعظ نے ان سے احمد بن اسحاق بن الیہلول نے ان سے ان کے والد (اسحاق بن الیہلول) نے۔ ان سے سرہ بن حجر نے ان سے حمزہ بن ابی حمزہ النعمانی نے ان سے عمرو بن دغاد نے ان سے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما بال اصحاب الحشايا
يكذبون عني احذكم يتكس وعلى فراشه يا كل مما فاء الله
عليه فتوتى يحدث عني الا حاديت يقول لا ارب لى فيها- عندنا
كتاب الله مانهاكم عنه فانتحوا او ما امركم به فاتبعوه -

(یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا حال ہے فرشوں

والوں کا کہ تھڑھٹاتے ہیں مجھ کو۔ عنقریب کوئی تم میں کوئی اپنے فرش پر تکیہ لگائے کھانا ہوگا جو کچھ اللہ نے اس کو دیا ہے تو اس کے پاس میری حدیثوں میں کوئی حدیث بیان کی جائیگی تو وہ کہے گا کہ مجھ کو ان سے کچھ کام نہیں۔ بارے پاس کتاب اللہ ہے۔ اس سے کتاب اللہ نے تمہیں روکا ہے اس سے باز رہو اور جس کا تمہیں حکم دیا ہے اس کا اتباع کرو۔ اس روایت میں وہ مظلّم مؤدّ وغیرہ الفاظ تو نہیں ہیں مگر مضمون وہی ہے تو اب اس کے راویوں کو بھی دیکھ لیجئے۔ ابو بکر خطیب کے بعد ان کے شیخ سے پانچ سیرجی تک تو مجاہدیل اور غیر معروف لوگوں کے نام ہیں پیٹے صاحب حمزہ بن ابی حمزہ النصبی ہیں جن کے بارے میں ابن حجر ہتھذب البتھذب میں لکھتے ہیں کہ یہ عام طور سے جو حدیث بھی روایت کرتے ہیں وہ منکر ہی ہوا کرتی ہے اور موضوع۔ تھڈ لوگوں سے یہ موضوع حدیثیں روایت کیا کرتا ہے۔ ابن عدی نے کہا کہ یہ خود حدیثیں گھڑا کرتا ہے۔ وغیرہ ذالک۔ اب اس کے بعد اس حدیث کے متعلق نہ کچھ کہنے کی ضرورت ہے نہ کچھ پوچھنے کی۔

روایت رجم

حضرت ابن عباسؓ کی دوسری حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے بلکہ حضرت عمرؓ سے منسوب ہے اور مسئلہ رجم سے متعلق ہے مسئلہ رجم کے متعلق بھی ایک مسودہ مضمون میرے پاس تیار ہے اللہ نے چاہا تو کبھی وہ بھی ہدیہ ناظرین ہو جائے گا بہر حال یہاں چونکہ یہ

۱ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جو حدیث اس کے بالکل برعکس بخاری میں ہے وہ آگے متن میں تلی ہے یہ حدیث صحیح ہے یا صحیح بخاری والی؟

چیز سامنے آگئی ہے تو اس کی تنقید پیش کئے دیتا ہوں۔

ابو بکر خطیب کفایہ میں روایت کرتے ہیں حسن بن ابی بکر سے، وہ ابو سہل احمد بن محمد بن عبد اللہ بن زیاد القطان سے وہ اسمعیل بن اسحاق القاضی سے، وہ عبد اللہ بن محمد بن اسماء سے، وہ مالک بن انس سے وہ زہری سے وہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے وہ عبد اللہ بن عباس سے کہ انھوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور ان پر کتاب اتاری اور جو کچھ نازل کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس میں آیت رحم بھی تھی تو ہم لوگوں نے پڑھا اس کو اور سمجھا اس کو اور یاد کیا اسکو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحم کیا اور آپ کے بعد ہم لوگوں نے رحم کیا۔ اور میں فرماتا ہوں کہ لوگوں پر طول نماز گزر جائے تو کوئی شخص کہے کہ ہم کتاب اللہ میں آیت رحم نہیں پاتے ہیں تو ترک ہو جائے ایک فریضہ جس کو اللہ نے نازل کیا ہے تو بیشک رحم کتاب اللہ میں ہے حق ہے اس پر جو زنا

۱۔ آیت رحم قرآن کی دوسری آیتوں کی طرح جب امری اور صوابی سے اس کو پڑھا اور یاد بھی کیا ہر اس پر عمل بھی ہوتا رہا بعد نبوی میں بھی اور بعد خلفائے راشدین میں بھی تو پھر قرآن سے اس کو خارج کس نے کیا اور یہ کیوں قرآن سے نکال بیہر کی گئی کہ بعد ان لوگوں کو اس کے متعلق یہ شبہ ہونے کا اسی وقت گمان ہوا تھا کہ کوئی آیت منزل میں اثر نہیں ہے اگر یہ واقعی حضرت عمر کا قول ہوتا تو حضرت عمر ضرور اس کو واضح فرما دیتے کہ ظاہر وجہ سے اس آیت کو قرآن میں نہیں لکھا گیا۔ اس روایت کے الفاظ ہی اس کے کذب و افتراء کی ثبوت دے رہے ہیں۔ یہ بہر لحاظ سے کسی منافق کی گھڑی ہوئی کہانی ہے۔ (انتہا)

اس پر تفصیلی بحث کے لئے ادارہ فکر اسلامی کا شاہ حنفیہ، کارڈن ایسٹ کوچی کی شائع کردہ کتاب "رحم جد ہے یا تمیزیر" ملاحظہ ہو جس میں رحم دانی روایت اور مسئلہ رحم پر بنیاد مفصل اور مدلل گفتگو کی گئی ہے اور رحم کی روایت کے خلاف مولانا عبید اللہ سندھی اور کئی مصری و عرب علماء کے دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ (طاہر)

کہ جب کہ وہ شادی شدہ ہو مردوں سے اور عورتوں سے جب کہ متنبہ (گواہ در دلیل) اس پر قائم ہو جائے اگر وہ حمل ہو، یا اعتراف ہو۔

اس حدیث کے سلسلہ اسناد میں اسماعیل بن اسحاق القاضی کا نام آپ نے دیکھا ان کے متعلق ابن حجر لکھتے ہیں کہ کان یضع الحدیث یعنی یہ حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔ باقی تفصیلی بحث انشاء اللہ مسئلہ رحمہ والے مضمون میں آئیگی یہاں اتنا ہی کافی ہے۔

علقمہ والی روایت

اب رہ گئی صرف علقمہ والی روایت یہ بھی کوئی حدیث نبوی نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی صریح تعلق مثلاً معہ مضمون سے ہے۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا ایک استدلال ان سے روایت کیا گیا ہے وہ یہ ہے۔ ابو بکر خطیب روایت کرتے ہیں عبداللہ بن یحییٰ العسکری سے وہ محمد بن احمد بن الحسن سے وہ بشر بن موسیٰ سے وہ حمیدی سے وہ سفیان سے وہ منصور ابن معتمر سے وہ ابراہیم نخعی سے وہ علقمہ سے کہ بنی اسد کی ایک عورت عبداللہ بن مسعود کے پاس آئی اور اس نے ان سے کہا کہ مجھ کو خبر ملی ہے کہ تم نے ایسے ایسے کہا ہے واٹھمہ اور متوسمہ کے متعلق۔ تو وہ کون سی قرأت ہے دو لوحوں کے درمیان میں تو نہیں پاتی ہوں جس کو تم کہتے ہو اور میں اپنے متعلق اس کی وجہ سے گمان کرتی ہوں کہ میں ہلاک ہو جاؤں گی۔ حضرت ابن مسعود نے اس سے کہا کہ جاگھر میں داخل ہو اور غور سے دیکھ۔ تو میں داخل ہوئی اور میں نے دیکھا تو کچھ بھی نہیں دیکھا تو پھر نکلی اور کہا حضرت ابن مسعود سے کہ میں نے تو کچھ نہیں دیکھا۔ یعنی گودا گودا نے والی۔

دیکھا۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس سے فرمایا کیا تو نے نہیں پڑھا
ما اتکم الرسول ^ﷺ مخذ وہ و ما ن حکم عنہ فانت و ۱۵۹ء تو اس
عورت نے کہا کہ ہاں۔ تو ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ وہ بھی ہے۔

یہ استدلال ان روایت پرست راویان حدیث کا بہت پرانا مگر سخت
بودا استدلال ہے اور اس کو قوی و مضکم کرنے کے لئے اس استدلال کو
کبھی امام شافعیؒ کی طرف منسوب کیا ہے کبھی کسی کی طرف اور یہاں کتنا
میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف اس کو منسوب کر دیا ہے۔ اس
سلسلہ میں ابو بکر خطیب کے شیخ اور شیخ الشیخؒ تو مجہول الحال ہیں۔ اگر ان
کے شیخ الشیخ کے شیخ بشر بن موسیٰ عجیب و غریب شخص ہیں معروف
اور مجہول بھی مجہول اس لئے کہ رجال کی تمام کتابیں چھان ڈالیں
آپ کو بشر بن موسیٰ کا پتا نہیں مل سکتا اور معروف اس حیثیت سے کہ
اگر بشر کی شہین پر تشدید دے کر کھراڑر دیدے اور اس کو بشر بن
موسیٰ پڑھئے تو پھر بشر بن موسیٰ کو رجال کی جس کتاب میں ڈھونڈیے
آپ کو مل جائیں گے۔ مگر محدثین محض بخیاں مدلیں سلسلہ روایت میں
ان کا نام ہمیشہ بغیو الف ہی کے لکھتے ہیں تاکہ بناواقف غریب کتب
رجال میں اگر بے الف والے کو ڈھونڈے تو کہیں نہ ملے اس لئے کہ اس
نام کا کوئی راوی حدیث ہے ہی نہیں اور الف کے ساتھ دیکھے تو کچھ کے

یہ آیت سورہ حشر کے پہلے رکوع میں ہے۔ مل غنیمت کی قسم کے

سلسلے میں وارد ہے۔ عموم لفظ سے مفہوم کو وسعت بھی دی جائے گی تو کسی مناسبت کے ساتھ نہ
کہ بے جوڈ مل غنیمت پر صدقات و زکوٰۃ وغیرہ کی تقسیم بھی اس آیت کا عموم لفظ اثر انداز ہو سکتا
ہے نہ کہ اس کے تحت میں حدیثیں بھی ذبردستی چھانی جائیں۔ بہر حال اگر حدیثیں بھی اسکے عموم
میں سمجھ کر داخل کر لی جاسکتی ہیں تو صحیح حدیثیں جو واقعی حکم الرسول ہوں نہ کہ وضامین و
کواہن کی ہر من گھڑت روایت جو حدیثیں قرآن کے خلاف ہوں وہ تو ماحکم عنہ میں داخل ہیں نہ
کہ ماحکم میں۔ (تمنا)

یہ تو الف والا کوئی اور ہے۔ اور ہے در حقیقت وہی الف والا بخار بن موسیٰ بن جعفر متعلق ابن جریر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں عمرو بن علی نے اسے نسیف الحدیث کہا۔ نسائی نے غیر ثقہ کہا۔ امام بخاری نے مشکوٰۃ الحدیث کہا۔ ابن ماجہ نے بھی غیر ثقہ کہا اور دجالور میں شمار کیا۔
وفیہ لالک - ۲۱۸ھ میں دنیا سے سدا رہے۔

غرض اس باب میں جتنی حدیثیں ابو بکر خطیب بغدادی نے اپنی کفایہ میں کبھی تھیں اور بھی بعض دوسری کتابوں میں مثلاً معہ والی روایتیں ہیں، میں نے ان سب کی تنقید کر کے دکھا دی کہ یہ سب روایتیں در اصل اہل شام خصوصاً اہل حمص و اہل نیشاپور اور خراسان و کوفہ و بصرہ و واسط والوں کی من گھڑت حدیثیں ہیں جو ایک مستقل سازش کے ماتحت گھڑی گئیں اور ان کی اشاعت کی گئی اور مصنفین کتب حدیث کی کتابوں میں کسی طرح سے داخل کرادی گئیں جن کی کتابوں میں داخل کی جاسکیں۔

حُرْمَتِ حُمْرِ اہْلِیَّہ

ان بائیس طرق میں سے بعض طرق میں حمر اہلیہ یعنی پالتو گدھے کے گوشت کی حرمت کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ اوپر ایک مقام پر جو حضرت مقدم بن معد یکرب سے ایک روایت بطور مثال پیش کی گئی ہے اس میں پالتو گدھے کے گوشت کی حرمت کا ذکر موجود ہے ان بائیس طرق میں سے چھ طرق میں حضرت مقدم کی طرف جو دس طرق منسوب ہیں ان میں سے پانچ طرق میں اور حضرت عریاض کی طرف تو ایک ہی حدیث منسوب ہے۔ اس ایک حدیث میں پالتو گدھے کی حرمت کا ذکر

ہے۔ اور ابو رافع یا جابر بن عبد اللہ وغیرہم کی روایتوں میں پالتو گدھے کا ذکر ہی نہیں ہے اور صرف مقدم بن سعد یکر ب کی دو روایتوں میں جن میں عبدالرحمان بن مہدی کا نام اسناد میں مذکور ہے یوم خیر کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کے دن چند چیزوں کو حرام کیا اور جو کچھ فرمایا کہ قرآن کے علاوہ بھی ہمیں قرآن ہی کے برابر ملا ہے یا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اللہ نے حرام کیا وغیرہ ذلک۔ یہ سب خیر ہی کے دن فرمایا تو ان باتیں طرق میں سے صرف دو طرق میں یوم خیر کا ذکر ہے مگر چونکہ ان باتوں طرق کے گھڑنے والے غزالی، شامی، کوئی اور دوسرے عراقی وغیرہ ہیں جن میں شیعوں کی بھی کافی تعداد تھی اس لئے حرامیہ کے گوشت کی حرمت کا تو ذکر کیا مگر منہ کی حرمت کا ذکر کسی ایک روایت میں بھی نہیں کیا گیا حالانکہ صحیح بخاری، صحیح مسلم کی حدیثوں میں یوم خیر میں پانچ چیزوں کی حرمت یا ممانعت کا ذکر ہے جن میں عورتوں کے ساتھ منہ کرنا کی حرمت کا بھی ذکر ہے اور یہ سب لغویات کہ ہم کو قرآن ملا ہے اور۔ مثلاً معہ۔ بھی۔ یا۔ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا وہ جس کے مثل ہے جس کو اللہ نے حرام کیا۔ اور یہ کہ قریب ایک شخص اپنے تحت پر تکیہ سے ٹیک دکائے ہوئے کہے کہ ہم کو حدیث کی ضرورت نہیں قرآن ہمارے لئے کافی ہے۔ وغیرہ ذلک یہ سب بخاری و مسلم کی کسی ایک روایت میں بھی نہیں ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیثیں

صحیح بخاری میں باب لوم المزالسیہ - ایک مسفل باب باندھ کر

اس باب میں آٹھ حدیثیں درج کی ہیں جن میں سے بعض میں یوم خیر کی تصریح موجود ہے اور بعض میں یوم الخیر کے ساتھ سباع ذی ناب (نوکیلے دانت والے درندے) کی بھی حرمت کا ذکر ہے اور بعض میں متعد کی حرمت کا بھی۔

اسی طرح صحیح مسلم میں بھی باب تحریم اکل لحم الخمر الانسیہ کے تحت میں سترہ حدیثیں نقل کی ہیں۔ ان میں بھی بعض میں یوم خیر کا ذکر موجود ہے اور بعض میں متعد کی حرمت کا بھی ذکر موجود ہے مگر بخاری و مسلم کی ان پچیس حدیثوں میں سے کسی ایک میں بھی وہ مسئلہ معہ وغیرہ غرافات جو کفایہ و ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ و مسند احمد کی یائیں حدیثوں میں مذکور ہیں کہیں ان کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اضافے خراسان و نیشاپور و شام و کوفہ و دیگر بلاد عراق میں بعد کو گھڑے گئے اور متاخرین کی کتابوں میں ان کے داخل کر دینے کا موقع مل گیا، مگر مستندین کی کتابیں جن کی نقلیں کافی طور سے ممالک اسلامیہ میں اس وقت شائع ہو چکی تھیں ان میں یہ داخل کرنے کی گنجائش نظر نہ آئی۔ اسی لئے موطا اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں یہ اضافے درج نہ ہو سکے۔

محدثین کی کتابوں میں جھوٹی حدیثیں داخل کر دی جاتی تھیں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی کتاب تحفۃ اشباہ عشریہ ص ۳۲ کدھی و دوم مطبوعہ نول کشور میں تحریر فرماتے ہیں۔

”در شہر دہلی در عہد بادشاہ محمد شاہ دو کس بودند از امرائے ایں فرقہ یعنی مرتضیٰ خاں و مرید خاں کہ کتب اہل سنت را مثل صحاح ستہ مشکوٰۃ و بعضے تفاسیر بخط خوش سے نویسانیدند و در اں احادیث مطلب خود از کتب

امامیہ برآوردہ داخل مے نمونہ دوں نسخہ را بجدول و مطلقا مذہب محمودہ
 بقیمت سہل درگذری مے فروختند۔ و در اصفہان آغا ابراہیم بن علی شاہ،
 کہ یکے از امرائے کبار سلاطین صفویہ بود بہ ہمیں اسلوب عمل کردہ۔
 مگر یہ کوئی نیا دستور اس جماعت کا نہ تھا۔ ابتدا سے روافض اور ملاحدہ
 علم جو خراسان، شام، عراق اور مصر وغیرہ میں تخریب اسلام کی جدوجہد
 میں لگے ہوئے تھے، ان میں سے ایک جماعت کا بھی دستور تھا چنانچہ ابن
 حجر ہندب المہذب ج ۸ - ۳۶۱ ترجمہ قتیبہ بن سعید بن جمیل میں لکھتے
 ہیں کان مغلد المد ایسی یدخل للحدیث عن الشیوخ - خالد مدانی
 اساتذہ حدیث کی کتابوں میں حدیثیں داخل کر دیا کرتا تھا اس کی موت
 ۲۱۱ھ میں ہوئی۔

حماد بن سلمہ کے ترے میں لکھتے ہیں کہ ان باضر الکذب داخل فی
 حدیثہ مالیس مے بعض کذابین نے ان کی حدیثوں میں ایسی
 حدیثیں داخل کر دیں جو ان میں نہ تھیں آگے چل کر صاف لکھتے ہیں
 کہ انھادست فی کتبہ یعنی وہ حدیثیں ان کی کتابوں میں داخل کر دی
 گئیں۔

محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں شہر دہلی میں دو اشخاص مرتضیٰ خان اور مرید خان ہے
 تھے جو فرقہ نشین کے امراء میں سے تھے وہ اہل سنت کی کتابوں مثلاً صحاح ستہ و مشکوٰۃ
 اور بعض تفاسیر کی بہت خوبصورت اور دیدہ زیب کما ت کراتے اور اپنے مطلب کی
 حدیثیں کتب امامیہ سے لیکر ان میں داخل کر دیتے تھے پھر ان نسخوں کی جلد بندی اور
 ان کو نقش و مطلقا کر کر بہت سستے داسوں اہل سنت کے ہاتھوں فروخت کر دیا کرتے
 تھے۔ اسی طرح شہر اصفہان میں آغا ابراہیم بن علی شاہ جو سلاطین صفویہ کے امرائے
 کبار میں سے ایک تھا اسی طریقہ پر عمل کرتا تھا۔

وراقین و کتابین

ان وضاعین و کذاہین میں کچے لوگوں نے وراقی یعنی جلد بندی اور کتابت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا جو محدثین کے کلامہ میں داخل ہو کر پہلے محدثین میں اپنا رسوخ قائم کرتے تھے پھر اپنا پیشہ ظاہر کر کے ان سے کتابت کے لئے یا وراقی کے لئے ان کی کتابیں لیکر ان میں --- اپنی طرف سے حدیثیں داخل کر دیا کرتے تھے اور ان کی حدیثوں میں گھٹا بڑھا بھی دیتے تھے۔ ابن حجر، احمد بن حنبلہ کے ترجمے میں لکھتے ہیں کہ ان کا ایک وراق تھا جو ان سے حدیثیں پڑھتا بھی تھا اور ان کی کتابیں نکالتا رکھتا بھی تھا۔ اس سے ان کی کچے ان بن ہو گئی تو انھوں نے اس کی جگہ ایک دوسرا وراق رکھنا چاہا تو اس پہلے وراق نے ان کی کتابوں میں کچے ایسی حدیثیں داخل کر دیں جو ان کی حدیثیں نہ تھیں جن کو یہ "اداس" اپنی حدیثیں سمجھ کر روایت کرنے لگے۔ (لسان المیزان ج ۱ - ۱۲۳)

جیب بن ابی جیب ابو محمد البصری - امام مالک کا کاتب تھا۔ وراقی بھی کیا کرتا تھا۔ حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں اور ابن حجر لسان المیزان میں اس کا مفصل حال لکھتے ہیں اور اس کو "اکذب الناس" لکھا ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ "میں نے میں وراقی کرتا تھا محدثین کی کتابوں کی اور ثقہ لوگوں سے موضوع حدیثیں روایت کیا کرتا تھا۔ ان کی کتابوں میں وہ حدیثیں داخل کر دیتا تھا جو ان کی حدیثیں نہیں ہوتی تھیں۔ لکھا ہے کہ اس کی کل حدیثیں موضوع ہی ہوا کرتی تھیں۔ ۲۱۸ ھ میں مرا - (میزان الاعتدال ج ۱ - ۲۱۰)

غرض جب یہ زبردست سازش تھی تو اگر صحاح ستہ اور خود موطا میں بھی بعض موضوع حدیثیں داخل کر دی گئی ہوں تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ بخاری و مسلم کو حدیث کی دوسری کتابوں کے اعتبار سے ہم بھی زیادہ صحیح سمجھتے ہیں مگر ان کی حفاظت کا وعدہ قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ نے نہیں کیا ہے۔ اس لئے اگر ان میں بھی دوسری کتابوں سے کم ہی سہی مگر تصحیف و تحریف ہو اور کچھ غلط حدیثیں داخل کر دی گئی ہوں اور بعض صحیح حدیثیں ان میں سے نکال دی گئی ہوں تو ان منافقین و ملاحدہ عجم کی زبردست سازش کے ہوتے کیا استواء عقلی لازم آتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ حفاظت کا وعدہ صرف قرآن مجید ہی کے متعلق ہے اس لئے وجود اتنی گہری سازشوں اور اس قدر اختلافات قرأت کے زبردست پروپیگنڈے کے ساری دنیائے اسلام میں صرف وہی ایک قرأت متواترہ و متوارثہ مروج ہے جو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک کتابت، تلاوت، قراۃ، اور حفظاً چلی آ رہی ہے اور دوسری قرأتیں صرف علم قرأت کے مجلدات تفسیر اور روایات کے دفاتر اور فقہاء کی کتابوں ہی میں مدفون ہیں کتابت و تلاوت و قرأت و حفظ سے ان قراتوں کا کوئی تعلق نہیں۔ تو جو حفاظت اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن ہی کے لئے مخصوص رکھی ہے تو اس کو صرف قرآن ہی کے لئے مخصوص رہنا چاہئے۔ دوسری کوئی کتاب اس حفاظت و محفوظیت میں اس کی شریک نہیں ہو سکتی۔

ابن عباسؓ کی حدیث بخاری میں

مگر صحیح بخاری ہی میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت تو یہ ہے کہ انھوں نے پالتو گدھے کے گوشت کے حرام ہونے سے انکار کیا اور قرآن کی

یہ آیت پڑھی کہ قُلْ لَا اَجِدُ فِیْهَا اَوْحٰی اِلٰی سَحَرًا عَلٰی هٰلَکُم
یُطْلَعُ لَآئِهَ یعنی حضرت ابن عباسؓ نے قرآن سے استدلال کیا کہ بس
قرآن نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے وہی حرام ہیں ان کے سوا اور کسی چیز
کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ دیکھئے بخاری باب لُومُ الْاَنَسِیَہِ
ج ۲۔ جسکی شرح میں ابن حجر فتح الباری میں حضرت ابن عباسؓ کا ایک
قول اور نقل فرماتے ہیں لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ
جاہلیت والے بعض چیز کھاتے تھے اور بعض چیز کو ترک کر دیتے تھے اس
کو مجس سمجھ کر۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث کیا اور ان پر اپنی
کتاب اتاری اور اس کتاب کے بتائے ہوئے حلال کو حلال کیا اور اسکے
بتائے ہوئے حرام کو حرام کیا جس کو اس کتاب میں حلال کیا ہے وہ حلال
ہے اور جس کو اس کتاب میں حرام کیا ہے وہ حرام ہے اور جس سے
سکوت اختیار کیا ہے تو وہ معاف ہے اور یہ آیت پڑھی قُلْ لَا اَجِدُ آخِرَ
تَمَّکَ (فتح الباری ج ۲۔ صفحہ ۲۱۳ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی) اب بتائیے
حضرت ابن عباسؓ کی طرف جس حدیث کو حمزہ بن ابی حمزہ انصاری جیسے
وضاع و کذاب کی روایت سے منسوب کر کے ابو بکر خطیب اپنی کتاب
کفایہ میں نقل کر رہے ہیں وہ صحیح ہے یا حضرت ابن عباسؓ کی وہ حدیث
صحیح ہے جس کو امام بخاری اپنی کتاب صحیح بخاری میں روایت کر رہے ہیں
اور ابن حجر فتح الباری میں نقل کر رہے ہیں؟

مشکوٰۃ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ قرآن پانچ عنوانات پر اترا ہے حلال و حرام اور محکم و
مکتابہ اور امثال تو اسی کے حلال کو حلال سمجھو اور حرام کو حرام سمجھو اور
محکم پر عمل کرو اور کتابہ پر ایمان رکھو اور امثال سے عبرت حاصل کرو

دوسری حدیث حضرت ابو نعیمہ الخشنی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے فرائض فرض کئے ہیں، ان کو ضائع نہ کرو اور کچھ چیزوں کو حرام کیا ہی تو ان کی خلاف ورزی نہ کرو اور کچھ حدود مقرر کئے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور بغیر بھول چوک کے بعض چیزوں سے قصداً سکوت اختیار کیا ہے، ان کی کریم میں نہ پڑو۔

ترک بعض وحی

اگر واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے ساتھ مثلہ، معہ، بھی ملا تھا تو پھر آخر جس طرح آپؐ نے قرآن کی تکلیف و تلاوت و قرات و حفظ کا اور اس کی تعلیم کا انتظام فرمایا، حدیثوں کو کیوں بالکل چھوڑ دیا؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ فلعنک تلوک، بعض ملبوسات، الیک کے خود سے مصداق۔ یعنی جو آپؐ سے فرمایا گیا کہ شاید تم بعض وحی کو چھوڑ دو گے، ان کفار و مشرکین کے خیال سے؟ (ہود ۲) تو آپؐ نے اس مثلہ، معہ، کو جو قرآن کے ساتھ آپؐ کو ملا تھا خود سے چھوڑ دیا اور ضائع ہونے دیا؟

سب سے پہلے حسبنا کتاب اللہ کہنے والے

اگر یہ کلامہ وغیرہ کی مثلہ، معہ، دلی حدیثیں صحیح ہوتیں تو حضرت صدیق اکبرؓ باغ و حدیثوں کو جمع کر کے جلا نہ دیتے اور حضرت فاروق اعظمؓ (جع سنن) کا ارادہ کر کے پھر اس سے رک نہ جاتے اور یہ نہ فرماتے کہ ”حسبنا کتاب اللہ“ یعنی ہمارے لئے کتب اللہ کافی ہے حضرت صدیق اکبرؓ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے بعض خطبوں میں یہ موجود ہے کہ قرآن کے بتائے ہوئے حلال کو حلال سمجھو اور قرآن کے بتائے ہوئے حرام کو حرام نہ سمجھو اور جس چیز سے قرآن نے سکوت اختیار کیا اس کی کریم میں نہ پڑو۔ چونکہ طوالت کا خوف ہے ورنہ اس مضمون کے اقوال اکثر صحابہؓ کے ملیں گے اور اس کی متعدد مثالیں مل سکتی ہیں مگر جو لوگ مستمعون القول، لستمون احسنہ، اوالقی السمع وهو شہد کے مصداق ہیں انہی جملہ بالصلی و صلی علیہ و آلہ وسلم، المتقون کے مطابق نئی بات کے قبول کر لینے کے لئے ہر وقت تیار ہیں ان کے لئے جتنا لکھا جا چکا ہے وہی امت کافی ہے اور جو لوگ روایت پرستی ہی کو دین سمجھتے ہیں ان کی ہر مہم طبعیت کے لئے لاکھ دلائل پیش کئے جائیں وہ تو ماننے والے ہی نہیں ہیں اسی لئے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔

نوٹ : علامہ قنہ کے حالات کے لئے اسی ادارہ کی شائع کردہ کتب اعجاز القرآن ملاحظہ فرمائیں جس میں سے یہ مضمون لے کر کتابچہ کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔